ماہنامہ
جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Registered No. CPL-13

(قیمت10روپے)

جلدنمبر29 ...... شمارہ نمبر05 ...... مئی 2022

مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم، مزدور کی دنیا کالی ہے (جمیل مظہری)

متحرک وخودمختار سول سوسائٹی نہ صرف جمہوریت کے فروغ کے لیے ناگزیر بلکہ جمہوریت کی بقا کی ضمانت بھی ہے

ملک میں سیاسی صورت حال کافی عرصہ سے عوامی تشویش کا باعث بنی رہی بالخصوص سابقہ اپوزیشن کی طرف سے۔عمران خان کے خلاف تحریک عدم اعتماد کا جمع ہونا اور سابقہ وزیراعظم اور اُن کی پارٹی کی طرف سے اپنے خلاف عدم اعتماد کو غیر مؤثر کرنے کے غیر آئینی اقدامات نے وقتی طور پر ایک سیاسی بحران پیدا کیا جس پر عدالت عظمیٰ نے پی ٹی آئی کے زیر اثر ڈپٹی سپیکر کے اقدامات کو غیر آئینی قرار دے کر تحریک عدم اعتماد پر ووٹنگ کرانے کی ہدایت جاری کر دی۔اس کے باوجود قومی اسمبلی میں پی ٹی آئی نے اپنے غیر آئینی اور غیر پارلیمانی اعمال برقرار رکھے تو عدالتِ عظمیٰ نے 9 اپریل کی شب اپنے فیصلے پر عمل درآمد کروانے کے اقدامات لیتے ہوئے عدالتِ عظمیٰ کو کھولنے کا فیصلہ کیا۔عدالتی کارروائی کا خوف ہی شاید پی ٹی آئی کے اپنے مضموم ارادوں سے پیچھے ہٹنے کا سبب بنی۔

پاکستان میں پہلی بار عدالتِ عظمیٰ کا جمہوری عمل کو بچانے کے لیے متحرک ہونا ملک میں جمہوریت کی بقاء کے لیے ایک حوصلہ افزا سائن ہے جس کو ایچ آر سی پی نے خوش آئند قرار دیا۔

بہرحال پی ٹی آئی نے سیاسی بحران کو طول دینے کے نئے بہانے ڈھونڈ لیے ہیں اور اپنے خلاف مبینہ بیرونی سازش کا بے وجہ بیانیہ بنا کر ایک ہیجان کی صورتِ حال پیدا کرنے کی کوشش جاری رکھی ہوئی ہے۔

دوسری طرف نئی حکومت کی آمد سے جہاں عوام نے معاشی بدحالی سے نجات کی بہت سی توقعات وابستہ کی ہوئی ہیں۔وہیں یہ بات بھی عیاں ہے کہ معیشت کی صورتِ حال کا کسی خاطر خواہ حد تک بہتر ہو جانا مشکل نظر آتا ہے۔

موجودہ حکومت کے یہ وعدے کہ انسانی حقوق کے مخالف قوانین پر نظر ثانی کی جائے گی اور عمران حکومت کی جابرانہ پالیسیوں کو ترک کیا جائے گا، حوصلہ افزا ہیں۔

ایچ آر سی پی حکومت کی توجہ خاص طور پر سول سوسائٹی پر دباؤ اور اُن کی خودمختاری پر منفی اثرات ڈالنے والی پالیسیوں اور قوانین کی طرف دلانا چاہتی ہے۔

یاد رہے کہ ایک مضبوط، متحرک اور خودمختار سول سوسائٹی نہ صرف جمہوریت کے فروغ کے لیے ناگزیر ہے بلکہ جمہوریت کی بقا کی ضمانت بھی ہے۔

آخر میں میں ایچ آر سی پی کے ممبران اور سول سوسائٹی کے اُن عناصر کی کاوشوں کو بھرپور قدر اور اہمیت کی حامل سمجھتی ہوں جو مستقل ناظم جوکھیو مرحوم کے ورثاء کو انصاف دلانے کے لیے متحرک ہیں۔

حنا جیلانی

چیئرپرسن، ایچ آر سی پی

فہرست

پریس ریلیزیں 03

بچوں کے حقوق: بچے، جبری مشقت اور متعلقہ قوانین 05

آئینِ پاکستان میں دیئے گئے بنیادی انسانی حقوق 06

مہنگے برانڈز کے سستے مزدوروں کی پتا 08

بلوچستان میں جبری گمشدگیوں میں اضافہ: 'والد کے بعد اب بچے کا نام کون رکھے گا' 11

بلوچستان: خواتین کو صحت عامہ میں درپیش مشکلات 14

انتہا پسندی 15

سنا ہے جنگلوں کا بھی کوئی دستور ہوتا ہے 16

میرے گاؤں کے مسائل 17

سکول کے طالب علم خیمے سے کب باہر نکلیں گے؟ 19

آئی اے رحمان کے کارہائے نمایاں کا جشن منایا جارہا ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے تنظیم کے سابق اعزازی ترجمان اور سیکرٹری جنرل آئی اے رحمان کو ان کی پہلی برسی کے موقع پر یاد کیا ہے۔

محترم رحمان کی مستحکم قیادت میں، جو 25 سال تک جاری رہی، ایچ آر سی پی بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کی قابلِ اعتبار تنظیم بن گئی اور اپنی آزادی اور غیر جانبداری کو برقرار رکھا۔ اس وقت میں، محترم رحمان نے ملک بھر میں انسانی حقوق کے متعدد نوجوان دفاع کاروں کی رہنمائی کی، جو سبھی ان کی گرمجوشی، بصیرت اور غیر متزلزل سالمیت کو یاد کرتے ہیں۔

محترم رحمان زندگی بھر انسانی حقوق کے لیے کام کرتے رہے۔ ایک ممتاز صحافی، انہوں نے آئین پرستی، اظہار رائے کی آزادی اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق کا دفاع کرتے ہوئے جبری گمشدگیوں اور سزائے موت کے خاتمے کی وکالت کے لیے غیر معمولی وضاحت کے ساتھ لکھا۔ وہ خواتین کی تحریک اور مزدوروں کے حقوق کی تحریک کا ایک اٹوٹ حصہ تھے، جب کہ بلوچستان کے لیے ان کی خاص محبت اور فکر کی وجہ سے انہوں نے برسوں تک صوبے کی نبض پر انگلی رکھے رکھی۔

محترم رحمان کا ایکٹوازم سرحدوں سے ماورا تھا اور انہوں نے جنوبی ایشیا میں امن اور تنوع کی وکالت کی کوششوں کو قوّت بخشی۔ درحقیقت، اُن کا وسیع علم ایسا تھا کہ نوبل انعام یافتہ امرتیہ سین نے گزشتہ سال ایک ریفرنس میں کہا تھا کہ ان کی خواہش ہے کہ انہیں مسٹر رحمان کے ساتھ اور زیادہ گفتگو کرنے کا موقع ملتا۔

اپنے وطن میں سیاسی رہنماؤں، طلباء، کسانوں اور ٹریڈ یونینوں کے درمیان یکساں طور پر، مسٹر رحمان بہت سے لوگوں کے لیے اخلاقیات کا پیکر بلس رہے۔ ایچ آر سی پی میں، ہم اُن کی زندگی کا جشن مناتے ہیں یہاں تک کہ ہم ان کے مقروض ہیں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 12 اپریل 2022]

سندھ حکومت جوکھیو کیس کی پیروی کرے۔ ایچ آر سی پی

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے عدم ثبوت کی بنیاد پر ناظم جوکھیو کے قتل کے ملزموں کی فہرست سے پی پی پی کے دو موجودہ قانون سازوں کو خارج کرنے کے فیصلے پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ایچ آر سی پی کا مشاہدہ ہے کہ یہ پیشرفت اس دباؤ اور تنہائی کی نشاندہی کرتی ہے جسے شیریں جوکھیو نے گزشتہ نومبر میں اپنے شوہر پر وحشیانہ تشدد اور قتل کرنے کے الزام میں 'معاف' کرنے کی اپنی وجوہات کے طور پر بیان کیا ہے۔ محترمہ جوکھیو کا مذکورہ بیان اور ملزمان کی فہرست سے پی پی پی کے ان قانون سازوں کے اخراج کے فیصلے کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملتی نظر آتی ہیں۔

ایچ آر سی پی کا خیال ہے کہ محترمہ جوکھیو کا فیصلہ یقینی طور پر رضا کارانہ نہیں اور اسے قانونی طور پر قابل قبول نہیں سمجھا جانا چاہیے۔ موجودہ سیاسی صورتحال میں سندھ حکومت کے لیے یہ دکھانے کے لیے موجودہ مقدمہ ایک آزمائش ہے کہ اسے انسانی حقوق اور انصاف قلیل مدتی سیاسی مفادات سے زیادہ عزیز ہیں۔ ایچ آر سی پی جوجوکھیو کیس پر گہری نظر رکھے ہوئے ہے، ناظم جوکھیو کو انسانی حقوق کا دفاع کار تسلیم کرتا ہے اور اس بات پر اصرار کرتا ہے دفاع کار کو نقصان پہنچانے والوں کو کسی بھی حالت میں قانونی کارروائی سے استثنیٰ نہیں ملنا چاہیے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 14 اپریل 2022]

چاغی میں ڈرائیوروں کے ساتھ سیکیورٹی فورسز کا رویہ قابل مذمت ہے۔ایچ آر سی پی

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کو یہ جان کر تشویش ہے کہ پاک۔افغان سرحد کے قریب سیکیورٹی فورسز نے مبینہ طور پر ایک ڈرائیور کو اُس وقت قتل کر دیا جب اسے رکنے کے لیے کہا گیا مگر اُس نے گاڑی کی رفتار تیز کر لی تھی۔ ماورائے عدالت قتل کو کسی بھی قسم کے حالات میں قبول نہیں کیا جا سکتا اور مجرموں کی نشاندہی کر کے ان کا محاسبہ کیا جائے۔

مزید برآں، اطلاعات کے مطابق سرحد پر سیکیورٹی فورسز نے درجنوں ڈرائیورز سے گاڑیاں لے لیں اور صحرا میں اُنہیں بیارومددگار چھوڑ دیا جن میں سے کئی کا ابھی تک سراغ نہیں مل رہا۔ یہ واقعہ انسانیت اور حقِ زندگی سے انتہائی نفرت کی عکاسی کرتا ہے۔

ایسے صوبے میں جسے عشروں سے نظر انداز کیا جا رہا ہے، مقامی لوگوں کے ساتھ سیکیورٹی فورسز کا ظالمانہ سلوک بلا روک ٹوک جاری و ساری ہے۔ ہم صوبائی حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وقوعے کی تحقیقات کی جائیں اور مستقل میں ایسے واقعات کی روک تھام یقینی بنائی جائے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔16اپریل2022]

ایچ آر سی پی نے تصویری مضمون کے مقابلے کے نتائج کا اعلان کر دیا ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کو یہ اعلان کرتے ہوئے انتہائی خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ پرامن اجتماع کی آزادی کے حق پر ایچ آر سی پی کے تصویری مضمون نویسی کے مقابلے کے لیے درج ذیل شرکاء کو فاتح اور رنراپ کے طور پر منتخب کیا گیا ہے۔

فاتح: محترم سبط الحسن طوری: راولپنڈی کے دیہات میں اراضی سے بے دخلی پر تصاویر کے لیے دوسری پوزیشن: محترمہ مسکان فردوس: 2022 میں محنت کش عورت ریلی سے متعلق اپنی تصاویر کے لیے تیسری پوزیشن: محترم عون جعفری: 2021 اور 2022 میں عورت مارچ لاہور پر اپنی تصاویر کے لیے قابلِ احترام تذکرہ: محترم رانا ساجد حسین: فلسطین، کشمیر اور یوکرین کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے ریلیوں میں تصاویر کے لیے۔

ایچ آر سی پی نے 2021 میں اس مقابلے کا آغاز کیا تا کہ پرامن اجتماع کی آزادی کے حق جو پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 16 میں درج ہے، کے بارے میں زیادہ سے زیادہ آگاہی پیدا کی جا سکے۔

جیتنے والے اندراجات کا انتخاب فنکاروں، فوٹوگرافروں اور انسانی حقوق کے محافظوں کے ایک آزاد پینل نے کیا تھا۔

یہ اندراجات ایچ آر سی پی کی ویب سائٹ پر ایک آن لائن نمائش کے ساتھ ساتھ ایک عوامی بالمشافہ نمائش (جس کا اعلان عید کے بعد کیا جائے گا) میں دکھائے جائیں گے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔20اپریل2022]

عشرا//انسانوں کا گیت

شکاگو کا ہو یا اوکاڑے کا، مِل ورکر یا باڑے کا
ہاڑ کی دھوپ کا ہمسایہ وہ، بیلی ماگھ کے جاڑے کا
ہم مزدور کے ساتھ ہیں! ہم مزدور کے ساتھ ہیں!
ملے نہ جس دن بھی دیہاڑی بس وہی روز۔ قیامت
شانے سانس کے بوجھ سے شل تھل، شب اک بھاری ندامت
اُس مجبور کے ساتھ ہیں! ہم مزدور کے ساتھ ہیں!
دوسرے پہنیں اُس کے گہنے، سب کہائیں، وہ تنہا بوئے
فائدے اُس کے میں سبھی ساجھی، گھاٹا بس اُسی کا ہوئے
کس میں دم خم اُس غیّور کے ساتھ ہنسے یا روئے
تھکن سے چُور کے ساتھ ہیں! ہم مزدور کے ساتھ ہیں!

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
جو خامیاں/ کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پرمبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تا کہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

بچوں کے حقوق: بچے، جبری مشقت اور متعلقہ قوانین

بچوں کے حقوق

بچوں کے تحفظ کے حوالے سے آئینی اور قانونی حوالے

☆ آئین کے آرٹیکل 11(3) کے مطابق "چودہ سال سے کم عمر کے کسی بچے کو کسی کارخانے، کان یا دیگر پرخطر ملازمت میں نہیں رکھا جائے گا"

☆ آئین کے آرٹیکل 25(A) کے مطابق "ریاست ہر شہری جو کہ 5 سے 16 سال کا ہو، کو قانون کے دیے گئے طریقہ کار کے مطابق مفت لازمی تعلیم فراہم کرے گی"

☆ آئین کے آرٹیکل 37(E) کے مطابق ریاست "منصفانہ اور نرم شرائط کار پر اس امر کی ضمانت دیتے ہوئے کہ بچوں اور عورتوں سے ایسے پیشوں میں کام نہیں لیا جائے گا جو ان کی عمر، جنس کے لیے نامناسب ہوں، مقرر کرنے کے لیے اور ملازم عورتوں کے لیے زچگی سے متعلق مراعات دینے کے لیے احکام وضع کرے گی"

☆ پاکستان پینل کوڈ کے سیکشن 82 کے مطابق 7 سال سے کم عمر بچے کا کوئی بھی فعل جرم تصور نہیں کیا جائے گا۔

☆ پاکستان پینل کوڈ کے سیکشن 83 کے مطابق 7 سال سے زائد اور 12 سال سے کم عمر بچے کا کوئی بھی فعل جرم تصور نہیں کیا جائے گا، جس کے پاس ابھی تک یہ سوجھ بوجھ نہ ہو کہ اس موقع پر اس فعل کے ارتکاب کی نوعیت اور نتیجہ کیا ہوگا۔

☆ پاکستان پینل کوڈ کے سیکشن 382 کے مطابق والدین یا دیکھ بھال پر معمول شخص کی طرف سے 12 سال سے کم عمر کو چھوڑ دینا یا اظہار لاتعلقی جرم تصور ہوگا۔

☆ پاکستان پینل کوڈ کا سیکشن 89 اور پاکستان میں جسمانی سزا کی روک تھام کا ایکٹ 2013 جسمانی سزا (Carporal Punishment) کی سختی سے ممانعت کرتا ہے۔

☆ خیبر پختونخواہ میں موجود چائلڈ پروٹیکشن ویلفیئر ایکٹ (2010) کے سیکشن 33 کے مطابق بھی کسی بھی شکل اور طریقے سے دی جانے والی جسمانی سزا کو ختم کر دیا گیا ہے۔

جوا ینائل جسٹس آرڈیننس (Juvenile Justice System Ordinance)

ملزم/مجرم بچوں کی صورت میں جو اینائل جسٹس آرڈیننس (Juvenile Justice System Ordinance) بنیادی ہدایت نامے کا کردار ادا کرتا ہے۔ اسی کے تحت بچوں کی عمر کا تعین، ضمانت کا حصول، شنوائی اور سزاؤں کا طریقہ کار متعین کیا جانا چاہیے۔

انسانی حقوق کی وفاقی وزارت کی طرف سے تشدد (بشمول بچوں کے خلاف تشدد) کے واقعات کو رپورٹ کرنے کے لیے ایک ہیلپ لائن کا اجرا کیا گیا ہے۔ یہ نمبرز 1099 یا 1121 ہیں۔

سندھ واحد صوبہ ہے جس میں کم عمری میں شادی کو روکنے کے لئے ایک مکمل قانون تشکیل دیا گیا ہے جسے سندھ چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 2013 کہا جاتا ہے۔

کم عمری میں شادی

چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 1929 کے تحت کم عمری میں شادی جرم تصور کی جاتی ہے۔ یہ قانون برطانوی راج میں متعارف کروایا گیا جس کا مقصد بچوں کی شادی کے عمل کو روکنا تھا۔ اس قانون میں لڑکی کے لئے شادی کی کم از کم عمر 14 سال اور لڑکے کے لئے 18 سال رکھی گئی تھی۔ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں شادی کرنے والے بالغ لڑکے، اس کے والدین اور نکاح خواں کے لئے ایک ہزار روپے جرمانہ یا ایک ماہ قید یا دونوں کی سزا مقرر کی گئی۔

1961 عائلی قوانین اور کم عمری کی شادی کے قانون میں تبدیلی

1961ء کے عائلی قوانین میں چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 1929 میں تبدیلی کی گئی اور شادی کے لئے لڑکی کی کم از کم عمر 16 سال مقرر کی گئی۔ یہ تبدیلی صرف مسلمان شہریوں کے لئے تھی اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد پر چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 1929 اپنی اصل شکل میں ہی لاگو ہوتا ہے۔

2010 کے بعد کی صورت حال

اٹھارویں ترمیم کی منظوری کے بعد صوبوں کو یہ اختیار ملا کہ وہ کم عمری کی شادی کے حوالے سے قانون سازی کر سکیں۔ اس ضمن میں صرف صوبہ سندھ اور پنجاب نے ہی قانون سازی کی ہے۔

صوبہ سندھ

سندھ واحد صوبہ ہے جس میں کم عمری میں شادی کو روکنے کے لئے ایک مکمل قانون تشکیل دیا گیا ہے جسے سندھ چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 2013 کہا جاتا ہے۔ اس قانون کے تحت لڑکے اور لڑکی دونوں کی شادی کے لئے کم از کم عمر 18 سال مقرر کی گئی ہے۔ قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں سزاؤں میں بھی سختی لائی گئی ہے۔ بالغ مرد (18 سال سے زائد عمر)، اس کے والدین یا سرپرست اور نکاح خواں کو تین سال تک قید، اور کم از کم دو سال قید تک، کی لازمی سزا دی جائے گی۔ یہ جرم قابل گرفت اور ناقابل ضمانت ہے اور عدالت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو یہ حق حاصل ہے کہ مجرموں کی نشاندہی اور انہیں گرفتار کر سکیں۔

صوبہ پنجاب

2015 میں پنجاب کی صوبائی اسمبلی نے چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 1929 میں ترامیم منظور کیں۔ جس میں قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں سزاؤں میں سختی لائی گئی۔ قانون میں کہا گیا ہے کہ کوئی شخص جو 16 سال سے کم عمر لڑکی سے شادی کرے گا، اسے اور نکاح خواں کو 50 ہزار روپے جرمانہ اور چھ ماہ تک کی قید کی سزا دی جائے گی۔ تاہم لڑکی کی شادی کے لئے کم از کم عمر بڑھانے کے حوالے سے کوئی قانون سازی نہیں کی گئی۔

خیبر پختونخواہ، بلوچستان اور اسلام آباد میں کم عمری کی شادی کو روکنے کے لئے ابھی تک کوئی قانون سازی یا ترمیم منظور نہیں کی گئی۔ ان علاقوں میں ابھی تک چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 1929 اور مسلمان شہریوں کے لئے وہ ترامیم جو عائلی قوانین کے ذریعے 1961 میں منظور کی گئیں۔

2018 میں وفاقی دارالحکومت میں اس قانون میں تبدیلی اور لڑکی کی کم از کم عمر 18 سال مقرر کرنے کے حوالے سے سینٹ نے سینیٹر شیری رحمان کا پیش کردہ بل منظور کیا۔ مگر یہ بل قومی اسمبلی سے منظور نہ ہو سکا۔

آئینِ پاکستان میں دیئے گئے بنیادی انسانی حقوق

پاکستان کا آئین، جو 1973ء میں دستور ساز اسمبلی نے منظور کیا، تمام شہریوں کو کسی تخصیص کے بغیر بنیادی انسانی حقوق فراہم کرنے کا ضامن ہے۔ آئین کے پہلے باب کے دوسرے حصے کی شق نمبر 8 تا 28 بنیادی حقوق کا احاطہ کرتی ہیں۔ نیز دیگر کئی حقوق کا تذکرہ پالیسی کے اصولوں کے باب میں بھی کیا گیا ہے۔ بنیادی حقوق کسی حکمران کی صوابدید نہیں اور نہ ہی انہیں کسی بھی حالات میں ختم کیا جا سکتا ہے۔ نیز ان کی خلاف ورزی کی صورت میں عدالتوں سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

آئین پاکستان میں دیے گئے بنیادی انسانی حقوق مندرجہ ذیل ہیں:

آرٹیکل 8- آئین میں دیے گئے بنیادی حقوق سے منافی قوانین کو کالعدم قرار دیا جائے گا۔

آرٹیکل 9-فرد کی سلامتی

قانون کی اجازت اور منشاء کے بغیر کسی فرد، شخص کو زندگی یا آزادی سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

آرٹیکل 10- گرفتاری اور نظر بندی کے بارے میں تحفظ

1۔ کسی شخص کو جسے گرفتار کیا گیا ہو مذکورہ گرفتاری کی وجوہ سے جس قدر جلد ہو سکے آگاہ کئے بغیر نہ تو نظر بند رکھا جائے گا اور نہ اسے اپنی پسند کے کسی قانون پیشہ شخص (قانون دان) کو مشورہ کرنے اور اس کے ذریعہ صفائی پیش کرنے کے حق سے محروم کیا جائے گا۔ 2۔ ہر وہ شخص جسے گرفتار کر لیا گیا ہو اور نظر بند کر دیا گیا ہو کو گرفتاری سے 24 گھنٹہ کے اندر کسی مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنا لازم ہوگا۔ لیکن مذکورہ مدت میں وہ وقت شامل نہیں ہوگا جو مقام گرفتاری سے قریب ترین مجسٹریٹ کی عدالت تک لے جانے کے لیے درکار ہوا اور ایسے شخص کو کسی مجسٹریٹ کی اجازت کے بغیر مذکورہ مدت سے زیادہ نظر بند نہیں رکھا جائے گا۔

آرٹیکل A-10 اپنے حقوق کے حصول یا کسی بھی مجرمانہ کارروائی کے خلاف ہر شہری کو منصفانہ سماعت کا حق حاصل ہوگا۔

آرٹیکل 11۔ غلامی، جبری مشقت، بیگار وغیرہ کی ممانعت

1۔ غلامی مذموم اور ممنوع ہے اور کوئی بھی قانون کسی بھی صورت میں اسے پاکستان کی حدود میں رواج دینے یا سہولت بہم پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا۔ 2۔ بیگار کی تمام سہولتوں، صورتوں اور انسانوں کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ 3۔ چودہ سال سے کم عمر کے کسی بچے کو کسی کارخانے، کان یا دیگر پر خطر ملازمت میں نہیں رکھا جائے گا۔

آرٹیکل 12-موثر ماضی سزا سے تحفظ

1۔ کوئی قانون کسی شخص کو:

(الف) کسی ایسے فعل یا ترک فعل کے لیے جو اس فعل کے سرزد ہونے کے وقت کسی قانون کے تحت قابل سزا نہ تھا، سزا دینے کی اجازت نہیں دے گا یا

(ب) کسی جرم کے لیے ایسی سزا دینے کی جو اُس جرم کے ارتکاب کے وقت کسی قانون کی رو سے اُس کے لیے مقررہ سزا سے زیادہ سخت یا اس سے مختلف ہو اجازت نہیں دے گا۔

آرٹیکل 13۔ دوسری سزا اور اپنے آپ کو ملزم گردانے کے خلاف تحفظ

کسی بھی شخص: (الف) پر ایک ہی جرم کی بناء پر ایک مرتبہ سے زیادہ نہ تو مقدمہ چلایا جائے گا اور نہ ہی سزا دی جائے گی۔ یا (ب) کو جب کہ اس پر کسی جرم کا الزام ہو اس بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے ہی خلاف ایک گواہ بنے۔

آرٹیکل 14۔ شرف انسانی قابل حرمت و احترام ہوگا

شرف انسانی اور قانون کے تابع، گھر کی خلوت ہر صورت میں قابل حرمت و احترام ہوگی۔

آرٹیکل 15۔ نقل و حرکت وغیرہ کی آزادی

ہر شہری کو پاکستان میں رہنے اور مفاد عامہ کے پیش نظر قانون کے مطابق عائد کردہ کسی معقول پابندی کے تابع، پاکستان میں داخل ہونے اور اس کے ہر حصے میں آزادانہ طور پر نقل و حرکت کرنے اور اس کے کسی حصے میں سکونت اختیار کرنے اور آباد ہونے کا پورا پورا حق ہوگا۔

آرٹیکل 16۔ اجتماع کی آزادی

امن عامہ کے مفاد میں قانون کے مطابق عائد کردہ پابندیوں کے تابع، ہر شہری کو پُر امن طور پر اسلحہ کے بغیر جمع ہونے کا حق حاصل ہے۔

آرٹیکل 17۔ انجمن سازی کی آزادی

1۔ پاکستان کے ہر شہری کو پاکستان کی حاکمیت اعلیٰ، ملکی سلامتی، امن عامہ یا اخلاق و کردار کے مفاد میں قانون کے ذریعہ عائد کردہ معقول پابندیوں کے مطابق انجمنیں اور یونین بنانے کا حق حاصل ہوگا۔

2۔ ہر شہری کو جو حکومت پاکستان کی ملازمت میں نہ ہو پاکستان کی حاکمیت اعلیٰ یا سلامتی کے مفاد میں قانون کے ذریعے عائد کردہ معقوم پابندیوں کے تابع کوئی سیاسی جماعت بنانے یا اس کا رکن بنے کا حق حاصل ہوگا اور مذکورہ قانون میں قرار دیا جائے گا کہ اگر وفاقی حکومت یہ اعلان کر دے کہ کوئی سیاسی جماعت ایسے طریقے پر بنائی گئی ہے یا عمل کر رہی ہے جو پاکستان کی حاکمیت اعلیٰ یا سلامتی کیلئے نقصان دہ اور مضر ہے تو وفاقی حکومت مذکورہ اعلان سے پندرہ دن کے اندر معاملہ عدالت عظمیٰ کے حوالے کر دے گی جس کا مذکورہ حوالہ پر فیصلہ قطعی ہوگا۔ کسی بھی سیاسی پارٹی، جماعت، انجمن، یا یونین کو ذات پات، فرقہ پرستی نامناسب گروہ بندی اور مذہبی تعصب پھیلانے کی اجازت نہ ہوگی۔

3۔ ہر سیاسی جماعت قانون کے مطابق اپنی آمدنی کے جملہ ذرائع کے ماخذ و وسائل کے لیے جوابدہ ہوگی۔

4۔ ہر سیاسی جماعت قانون کے مطابق جماعت کے انتخابات کرائے گی اور عہدیداروں اور ارکان کا انتخاب کرے گی۔

آرٹیکل 18-تجارت، کاروبار یا پیشے کی آزادی

ایسی شرائط، قابلیت، صلاحیت، حیثیت کے تابع جو قانون کے ذریعے مقرر کی جائیں، ہر شہری کوئی جائزہ پیشہ یا مشغلہ اختیار کرنے اور کوئی جائز تجارت یا کاروبار کرنے کا مجاز ہوگا۔

آرٹیکل 19-تقریر وغیرہ کی آزادی

پاکستان کے ہر شہری کو تقریر کرنے اور اظہار خیال کرنے کا حق حاصل ہے۔ ابلاغ عامہ کو بھی مکمل آزادی کا حق حاصل ہے۔ اسلام کی عظمت، پاکستان یا اس کے کسی حصے کی سلامتی، سلامتی، دفاع، غیر ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات، امن عامہ تہذیب و اخلاق کے مفاد کے پیش نظر یا توہین عدالت، کسی جرم کے ارتکاب یا اس کی ترغیب کے متعلق قانون کے ذریعے عائد کردہ مناسب پابندیوں کے تابع، ہر شہری کو تقریر اور اظہار خیال کی آزادی کا حق حاصل ہوگا اور اُن ہی شرائط کے ساتھ پریس بھی آزاد ہوگا۔

آرٹیکل 20۔ مذہب کے اظہار، پیروی اور مذہبی اداروں کے انتظام کی آزادی

قانون امن عامہ اور اخلاق کے تابع:

(الف) ہر شہری کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کا پرچار اور تبلیغ کرنے کا حق ہوگا اور

(ب) ہر مذہبی جماعت، گروہ اور ہر فرقے کو اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے، برقرار رکھنے اور اُن کا انتظام کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

آرٹیکل 21۔ کسی خاص مذہب کی اغراض کے لیے محصول سے تحفظ

کسی شخص کو کوئی ایسا خاص محصول ادا کرنے پر مجبور نہیں

کیا جاسکتا جس کی آمدنی اُس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تبلیغ وترویج پر صرف کی جائے۔

آرٹیکل 22۔ مذہبی معاملات میں تعلیمی اداروں سے متعلق تحفظات

1۔کسی تعلیمی ادارے میں تعلیم پانے والے کسی شخص کو مذہبی تعلیم حاصل کرنے یا کسی مذہبی تقریب میں حصہ لینے یا مذہبی عبادت میں شرکت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔اگر ایسی تعلیم،تقریب یا عبادت کا تعلق اس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب سے ہو۔

2۔کسی مذہبی ادارے کے سلسلہ میں محصول لگانے کی بابت استثناء یا رعایت منظور کرنے میں کسی فرقے کے خلاف کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔

3۔قانون کے تابع:(الف) کسی مذہبی فرقے یا گروہ کو کسی تعلیمی ادارے میں جو مکمل طور پر اس فرقے یا جماعت/ گروہ کے زیر اہتمام چلایا جاتا ہو اس فرقے ، جماعت/گروہ کے طلباء کو مذہبی تعلیم دینے کی ممانعت نہ ہوگی۔(ب) کسی بھی شہری کو نسل، مذہب، ذات یا مقام پیدائش کی بناء پر کسی ایسے تعلیمی ادارے میں داخل ہونے سے محروم نہیں کیا جائے گا جسے سرکاری محاصل سے امداد ملتی ہو۔

آرٹیکل 23۔جائیداد کے متعلق حکم

دستور اور مفاد عامہ کے پیش نظر قانون کے ذریعے معقول پابندیوں کے تابع، ہر شہری کو جائیداد حاصل کرنے، قبضہ میں رکھنے اور فروخت کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

آرٹیکل 24۔حقوق جائیداد کا تحفظ

1۔کسی شخص کو اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا سوائے ان حالات کے دوران جب قانون اس کی اجازت دے۔

2۔کوئی جائیداد بھی زبردستی حاصل نہیں کے جائے گی اور نہ ہی زبردستی قبضہ میں لی جائے گی۔بجز کسی سرکاری مقصد، غرض کے لیے اور بجز ایسے قانون کے اختیار کے ذریعے جس میں اس کے معاوضے کا حکم صادر کیا گیا ہو یا معاوضہ کی رقم کا تعین کر دیا گیا ہو یا اس طریقہ اور اصول کی صراحت کی گئی ہو جس کے مطابق معاوضہ کا تعین کیا جائے گا اور پھر ادائیگی کی جائے گی۔

آرٹیکل 25۔شہریوں کے مابین مساوات

1۔تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور قانونی تحفظ کے مساوی طور پر مستحق ہیں۔

2۔صرف اور صرف جنس کی بنا پر کوئی فرق اور امتیاز نہیں کیا جائے گا۔

3۔اس آرٹیکل میں مندرج کوئی امر عورتوں اور بچوں کے تحفظ کے لیے مملکت کی طرف سے کوئی خاص اہتمام کرنے میں مانع نہیں ہوگا۔

آرٹیکل A-25 ۔ریاست ہر شہری جو کہ 5 سے 16 سال کا ہو، کو قانون کے دیے گئے طریقہ کار کے مطابق مفت لازمی تعلیم فراہم کرے گی۔

آرٹیکل 26۔ عام مقامات میں داخلہ کے متعلق عدم امتیاز

1۔عام تفریح گاہوں یا جمع ہونے کی جگہوں میں جو صرف مذہبی اغراض کے لیے مختص نہ ہوں، آنے جانے کے لیے کسی شہری کے ساتھ محض نسل، مذہب، ذات، جنس، سکونت یا مقام پیدائش کی بناء پر کوئی امتیاز فرق روا نہیں رکھا جائے گا۔

2۔شق نمبر (1) میں مذکورہ کوئی امر عورتوں اور بچوں کے لیے کوئی خاص اہتمام کرنے میں مملکت کے مانع نہیں ہوگا۔

آرٹیکل 27۔ملازمتوں میں امتیاز کے خلاف تحفظ

1۔کسی شہری کے ساتھ امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا جو دیگر اعتبار سے پاکستان کی ملازمت میں تقرر کا اہل ہو یا کسی ایسے تقرر کے سلسلہ میں محض نسل، مذہب، ذات، جنس، سکونت یا مقام پیدائش کی وجہ پر امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ یوم آغاز سے زیادہ سے زیادہ چالیس سال کی مدت تک کسی طبقے یا علاقے کے لوگوں کے لیے آسامیاں محفوظ کی جاسکیں گی تاکہ پاکستان کی ملازمت میں ان کو مناسب نمائندگی حاصل ہو جائے۔مزید شرط یہ ہے کہ مذکورہ ملازمت کے مفاد میں مصرحہ آسامیاں یا ملازمتیں کسی ایک جنس کے افراد کے لیے محفوظ کی جاسکیں گی اور مذکورہ آسامیاں اور ملازمتوں میں ایسے فرائض اور کارہائے منصبی کی انجام دہی ضروری ہو جو دوسری جنس کے افراد کی جانب سے مناسب طور پر انجام نہ دیئے جاسکتے ہوں۔

آرٹیکل 28۔زبان، رسم الخط اور ثقافت کا تحفظ

آرٹیکل 251 کے تابع شہریوں کے کسی طبقہ کو جس کی ایک الگ زبان، رسم الخط اور ثقافت ہو اُسے برقرار رکھنے اور فروغ دینے اور قانون کے تابع، اس غرض کے لیے ادارے قائم کرنے کا حق ہوگا۔

ان بنیادی حقوق کے علاوہ پالیسی کے اصولوں میں بھی کچھ حقوق پر بات کی گئی ہے اور ریاست کو یہ ذمہ داری دی گئی ہے کہ وہ اس سلسلے میں قانون سازی کرے اور پالیسی کا حصہ بنائے۔

آرٹیکل 37 ۔ معاشرتی انصاف کا فروغ اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ

مملکت:(الف) پسماندہ طبقات یا علاقوں کے تعلیمی اور معاشی مفادات کو خصوصی توجہ کے ساتھ فروغ دے گی۔ (ب) کم سے کم ممکنہ مدت کے اندر ناخواندگی کا خاتمہ کرے گی، مفت اور لازمی ثانوی تعلیم کے مواقع فراہم کرے گی۔(ج) فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کو عام طور پر ممکن حصول تک اور اعلیٰ تعلیم کو معیار کی بنیاد پر سب کے لیے مساوی طور پر قابل پہنچ وعمل بنائے گی۔(د) سستے اور سہل انصاف کو یقینی بنائے گی۔(ہ) منصفانہ اور نرم شرائط کار پر اس امر کی ضمانت دیتے ہوئے کہ بچوں اور عورتوں سے ایسے پیشوں میں کام نہیں لیا جائے گا جو ان کی عمر، جنس کے لیے نامناسب ہوں، مقرر کرنے کے لیے اور ملازم عورتوں کے لیے زچگی سے متعلق مراعات دینے کے لیے احکام وضع کرے گی۔(و) مختلف علاقوں کے افراد کو تعلیم، تربیت، زرعی اور صنعتی ترقی اور دیگر طریقوں سے اس قابل بنائے گی کہ وہ ہر قسم کی سرگرمیوں میں جن میں پاکستان میں ملازمت، خدمات بھی شامل ہیں پورا پورا حصہ لے سکیں۔(ز) عصمت فروشی، قمار بازی، ضرر رساں ادویات کے استعمال، فحش اور محرب الاخلاق، اشتہارات کی طباعت، نشر واشاعت اور نمائش کی روک تھام کرے گی۔(ج) نشہ آور مشروبات کے استعمال کی سوائے اس کے کہ وہ طبی اغراض کے لیے یا غیر مسلموں کی صورت میں مذہبی اغراض کے لیے ہو روک تھام کرے گی اور (ط) نظم ونسق حکومت کی مرکزیت کو مدنظر رکھتے ہوئے عوام کی سہولت اور مسائل کے حل کی خاطر ضروریات پوری کرنے کے لیے اس کے کام کے فوری تصفیہ میں آسانی پیدا ہو۔

آرٹیکل 38۔عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کا فروغ

مملکت:(الف) عام آدمی کے معیار زندگی کو بلند کر کے دولت اور وسائل پیداوار وتقسیم کو چند اشخاص کے ہاتھوں میں اس طرح جمع ہونے سے روک کر اس لیے کہ مفاد عامہ کو نقصان پہنچے اور آجر وماجور، زمیندار ومزارع کے درمیاں حقوق کی منصفانہ تقسیم کی ضمانت دے کر بلا لحاظ جنس، ذات، مذہب یا نسل عوام کی فلاح و بہبود کے حصول کی کوشش کرے گی۔(ب) تمام شہریوں کے لیے ملک میں دستیاب وسائل کے اندر، معقول آرام وفرصت کے ساتھ کام اور مناسب روزی کی سہولتیں فراہم کرے گی۔ (ج) پاکستان کی ملازمت میں یا بصورت دیگر تمام ملازم، تمام اشخاص کو لازمی معاشرتی بیمہ کے ذریعہ یا کسی اور طرح معاشرتی تحفظ مہیا کرے گی۔(د) ان تمام شہریوں کے لیے جو کمزوری، بیماری یا بے روزگاری کے باعث مستقل یا عارضی طور پر اپنی روزی نہ کما سکتے ہوں بلا لحاظ جنس، ذات، مذہب یا نسل بنیادی ضروریات زندگی مثلاً خوراک، لباس، رہائش، تعلیم اور طبی امداد مہیا کرے گی۔(ہ) پاکستان کی ملازمت کے مختلف درجات میں اشخاص سمیت افراد کی آمدنی اور کمائی میں عدم مساوات کو کم کرے گی اور (و) ربا کو جتنا ممکن ہو ختم کرے گی۔

مہنگے برانڈز کے سستے مزدوروں کی بپتا

فواد حسن

کراچی کی گارمنٹ فیکٹریوں میں مزدوروں کے ساتھ ہونے والا بُرا سلوک کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مقبولِ عام مقامی اور بین الاقوامی فاسٹ فیشن برانڈز کے لیے کپڑے تیار کرنے والے یہ مزدور ایسی فیکٹریوں میں کام کرتے ہیں جو اکثر کسی جیل کی تصویر پیش کرتی ہیں۔ یہ بغیر کسی مراعات کے بہت ہی کم اجرت پر طویل دورانیے تک کام کرتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا کہ سندھ حکومت کی جانب سے کم از کم آمدن میں اضافے کے اعلان سے زمینی صورتحال بھی تبدیل ہوئی ہے یا نہیں؟

35 سالہ یٰسین کورنگی انڈسٹریل ایریا کے ایک مصروف چائے ڈھابے پر بیٹھے بے چینی سے اپنی ڈائری کے ورق الٹ رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی اہم چیز کی تلاش میں ہیں۔ بالآخر وہ ایک فیکٹری کی کچھ تصویروں پر رک گئے۔ انہوں نے کہا کہ 'رفیق نامی میرا دوست یہاں کام کرتا ہے'۔ یٰسین نے مزید بتایا کہ اس فیکٹری میں مشہور بین الاقوامی فاسٹ فیشن برانڈز کے لیے کپڑے تیار ہوتے ہیں (فاسٹ فیشن کی اصطلاح ایسے کاروبار کے لیے استعمال ہوتی ہے جس میں عالمی سطح پر مقبول فیشن کی نقول بڑے پیمانے پر اور کم قیمت میں تیار کی جاتی ہیں۔ قیمت کو کم رکھنے کے لیے مزدوروں کے استحصال، آلودہ اور ماحولیات کو نقصان پہنچانے والی توانائی اور کیمیائی مادوں کے استعمال جیسے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں)۔

یٰسین سندھ سجاگ لیبر فیڈریشن کے چیف آرگنائزر ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ 'ہم ان فیکٹریوں کو سینٹرل جیل اور یہاں کام کرنے والے مزدوروں کو جیل میں بند قیدیوں سے تشبیہ دیتے ہیں'۔ انہوں نے مزید کہا کہ 'ایک مزدور کو یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ فیکٹری میں کب داخل ہوگا لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ واپس کب جائے گا'۔

یٰسین نے ہمیں بتایا کہ وہ کافی وقت سے رفیق کا انتظار کر رہے ہیں اور شاید انہیں مزید انتظار کرنا پڑے۔

یٰسین کراچی کے معاشی حب کورنگی انڈسٹریل ایریا کی کئی فیکٹریوں میں کام کر چکے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے اسی فیکٹری میں کام کیا تھا جہاں اس وقت رفیق کام کر رہے ہیں۔ یٰسین کا دعویٰ ہے کہ انہیں اس وجہ سے نکال دیا گیا کیونکہ انہیں مسائل پیدا کرنے والا سمجھا جا رہا تھا۔ یٰسین کا جرم فیکٹری کے اندر انسانی حقوق اور مزدوروں کے حقوق کی خلاف ورزی پر آواز اٹھانا تھا۔

یٰسین نے کہا کہ ' کئی مہینوں تک نوکری پر بحالی کی کوششوں کے بعد میں نے یہ عزم کر لیا کہ میں صنعتی مزدوروں کو منظّم کروں گا اور ان فیکٹری مالکان کے خلاف ہمیشہ جدوجہد کرتا رہوں گا جو ہمیں ہمارے بنیادی حقوق سے محروم رکھتے ہیں'۔

کراچی کی ایک گارمنٹ فیکٹری میں کپڑوں کے ڈھیر میں گھری خاتون مزدور

یٰسین کی گفتگو جاری تھی اور میز پر چائے کے کپوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اتنے میں پرانی قمیض شلوار میں ملبوس ایک شخص ڈھابے میں داخل ہوا۔ اس کے بال دھول میں اٹے ہوئے تھے اور اس کی قمیض پر پسینے کے دھبے عیاں تھے۔ وہ شخص رفیق تھا۔

رفیق نے دونوں ہاتھ جوڑ کر یٰسین سے معافی مانگتے ہوئے کہا کہ 'میں دیر سے آنے کے لیے معذرت چاہتا ہوں'۔

اس معذرت کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ یٰسین کو بھی اس تاخیر کی وجہ بہتر طور پر معلوم تھی۔

رفیق نے کہا کہ 'میں کل صبح 8 بجے کام پر گیا تھا اور مجھے آج رات 8 بجے گھر جانے کی اجازت ملی۔ میں 36 گھنٹوں تک کام کرتا رہا اور اس دوران میں نہ سویا اور نہ ہی پلک تک جھپکائی'۔

رفیق گزشتہ 2 سال سے اس فیکٹری میں بطور ہیلپر کام کر رہے ہیں۔ جب جب فیکٹری کو مشہور بین الاقوامی برانڈز کے آرڈر پورے کرنے ہوتے ہیں تو رفیق کو طویل دورانیے تک کام کرنا پڑتا ہے۔

پاکستان میں فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے ساتھ بدسلوکی ایک پرانا رجحان ہے۔ رفیق نے بتایا کہ اپنی تمام تر کوششوں کے بعد بھی وہ کم از کم اجرت سے بھی کم رقم حاصل کرتے ہیں۔ وہ جس فیکٹری میں کام کرتے ہیں وہاں مزدوروں کو موبائل فون لے جانے کی اجازت نہیں ہے اور اگر کوئی موبائل فون لے جاتے ہوئے یا استعمال کرتے ہوئے پکڑا جائے تو اس کی معمولی اجرت میں سے 500 روپے کاٹ لیے جاتے ہیں۔

ایک امید کی کرن اس وقت پیدا ہوئی تھی جب رواں سال سندھ حکومت نے حکم جاری کرتے ہوئے صوبے بھر میں کم از کم اجرت 25 ہزار روپے مقرر کی تھی۔

انسانی حقوق کے کارکنوں، مبصرین اور میڈیا ارا کین کی جانب سے اس فیصلے کی خوب حمایت کی گئی۔ اس حوالے سے اخبارات میں تعریفی کالمز بھی شائع ہوئے۔ تاہم یہ فیصلہ ہر کسی کے لیے خوشی کا باعث نہیں تھا۔

کم از کم اجرت

9 جولائی 2021ء کو سندھ حکومت کے لیبر اینڈ ہیومن ریسورس ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے جاری ہونے والے نوٹیفیکیشن میں کہا گیا کہ وہ 'یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہے ہیں کہ غیر ہنرمند کم عمر اور بالغ مزدوروں کی کم از کم ماہانہ اجرت 25 ہزار روپے مقرر کی جاتی ہے'۔

نوٹیفیکیشن میں یہ بھی کہا گیا اس کا طلاق یکم جولائی 2021ء سے سندھ کے تمام صنعتی و کاروباری اداروں میں کام کرنے والے ہر غیر ہنرمند کم عمر اور بالغ مزدور پر ہوگا۔ اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ اوقاتِ کار اور اوور ٹائم کی شرائط اور چھٹی کے دن کام کا تعین سندھ فیکٹریز ایکٹ، 2015ء، پیمنٹ آف ویجز ایکٹ، 2015ء اور دیگر متعلقہ لیبر قوانین کی روشنی میں ہوگا۔

لیکن یٰسین اور رفیق کی طرح فیکٹری میں کام کرنے والے مزدوروں کے حالات اس کے باوجود بھی نہیں بدلے۔ جیسا کہ گمان تھا جلد ہی کراچی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری (کے سی سی آئی)، سائٹ (سندھ انڈسٹریل ٹریڈنگ اسٹیٹس) ایسوسی ایشن اور دیگر تنظیموں نے اس حکم کے خلاف درخواست دائر کر دی۔ کم از کم اجرت کو 17 ہزار سے بڑھا کر 25 ہزار کرنے کے فیصلے نے صنعت کاروں کو ناراض کر دیا۔ انہوں نے اس بات کی نشاندہی کی کہ حکومت نے یہ فیصلہ کرنے سے قبل ان سے مشاورت نہیں کی۔

صنعت کاروں کا کہنا تھا کہ ان کے پاس اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں بچا کہ وہ ملک کے گارمنٹ حب کراچی کو چھوڑ کر اپنا کاروبار پنجاب جیسے صوبوں میں منتقل کر دیں جہاں کی پالیسیاں ان کے لیے زیادہ فائدہ مند ہیں۔

ڈان اخبار کی ایک رپورٹ کے مطابق بزنس مین گروپ اور کونسل آف آل پاکستان ٹیکسٹائل ایسوسی ایشن (کیپٹا) کے چیئرمین زبیر موتی والا کا کہنا تھا کہ جب ملک بھر میں پیٹرول، ڈیزل، گیس اور بجلی کے نرخ ایک جیسے ہیں تو پھر دیگر صوبوں کی نسبت سندھ میں کم از کم اجرت میں اتنے اضافے کا کیا جواز ہے۔

ڈان اخبار کے مطابق کورنگی ایسوسی ایشن آف ٹریڈ اینڈ انڈسٹری (کاٹی) کے صدر سلیم الازماں نے کہا کہ سندھ حکومت کا فیصلہ 'پہلے سے ہی مشکلات کے شکار صنعتی شعبے کے تابوت میں آخری کیل' تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ صوبائی حکومت کے اعلان کے بعد اگر کسی کمپنی میں ایک ہزار ملازمین ہیں تو اس کے اخراجات میں صرف تنخواہوں کی مد میں ہر ماہ 80 لاکھ روپے کا اضافہ ہوگا۔

اس کے باوجود گزشتہ ماہ سندھ ہائی کورٹ نے حکومت کی جانب سے کم از کم تنخواہ 25 ہزار روپے مقرر کیے جانے کے فیصلے کو برقرار رکھا۔ عدالت نے صوبائی حکومت کو کم از کم تنخواہ پر نظر ثانی کی ہدایت کی لیکن ساتھ ہی حکومت کو یہ بھی ہدایت کی کہ جب تک اس پر نظر ثانی نہیں ہو جاتی تب تک حکومت اس اجرت کی ادائیگی کو یقینی بنائے۔

تاہم اس دوران رفیق اور ان جیسے ہزاروں مزدور نئی طے شدہ کم از کم اجرت کے منتظر ہیں۔

ان مزدوروں کا کہنا ہے کہ وہ پاکستان کی معیشت اور ٹیکسٹائل کی صنعت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ادارہ شماریات پاکستان کے مطابق 2021ء کی پہلی سہ ماہی میں ٹیکسٹائل اور کپڑوں کی مد میں 3 ارب 46 کروڑ ڈالر کی برآمدات ہوئی تھیں، مگر یہی برآمدات اب 2022ء کی پہلی سہ ماہی 27.41 فیصد بڑھ کر 4 ارب 42 کروڑ ڈالر تک پہنچ گئی تھیں۔

جولائی 2020ء سے مارچ 2021ء تک 11 ارب ڈالر سے زائد مالیت کی ٹیکسٹائل اشیا برآمد کی گئیں۔ مزدوروں کے مطابق یہ سب کچھ اس وجہ سے ممکن ہوا کہ وہ کورونا وبا کے باوجود ان گندی فیکٹریوں میں اپنا کام کرتے رہے جہاں پنکھے کے نیچے بیٹھنا بھی ایک مراعت سمجھا جاتا ہے۔

گزشتہ بجٹ کے دوران حکومت نے صنعتوں کے لیے ریلیف کا اعلان کیا تھا۔ تاہم مزدوروں کو بہت کم یا سرے سے کوئی بھی ریلیف حاصل نہیں ہوا۔ مزدوروں کو معلوم ہے کہ ان کے پاس دو راستے ہیں۔ یا تو ان کے ساتھ جو بھی سلوک ہو رہا ہے وہ اسے برداشت کرتے ہوئے کام کرتے رہیں یا پھر وہ اپنی آواز بلند کریں اور اس کی بھاری قیمت چکائیں۔

حقوق کی جنگ

جیسے جیسے رات بڑھتی گئی ڈھابے پر مزید مزدور بھی ہماری گفتگو کا حصہ بنتے رہے۔ ان کے پاس سنانے کے لیے کئی کہانیاں تھیں اور ان میں سے اکثر نئی نہیں تھیں۔ بس نام تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن کہانی وہی ہوتی ہے۔

گزشتہ سال رفیق اور دیگر ملازمین کو ملازمت سے فارغ کر دیا گیا تھا لیکن کچھ ماہ بعد ہی انہیں دوبارہ کام پر رکھ لیا گیا۔ انہیں اس وقت فارغ کیا گیا تھا جب بونس دینے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ رفیق نے کہا کہ 'وہ اسی طرح پیسہ بچاتے ہیں۔ ہم صرف اسی وجہ سے واپس کام پر جاتے ہیں کیونکہ ہم پہلے ہی بھوک سے پریشان ہوتے ہیں۔ رفیق کی سب سے بڑی بیٹی 11 سال کی ہے۔ اس نے ابھی تک اسے اسکول میں داخل نہیں کروایا کیونکہ وہ اسے اسکول بھیجنے کے اخراجات پورے نہیں کر سکتا۔

یٰسین، رفیق اور ان جیسے ہزاروں مزدور کئی سالوں سے بنیادی مراعات کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ ان کے لیے 8 گھنٹے کے کام پر کم از کم اجرت کا حصول ابھی بہت دُور ہے۔

یٰسین کی مزدور تنظیم نے گزشتہ سال 'ہمارے حقوق کے لیے انقلاب' کے نام سے ایک کنونشن کا انعقاد کیا تھا۔ اس میں امید سے زیادہ افراد نے شرکت کی جس سے یٰسین اور دیگر مزدوروں کو اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے لیے حوصلہ ملا۔ انہوں نے وہاں تقاریر کیں، پلے کارڈز اٹھائے اور اپنی اپنی کوششوں سے ایک دوسرے کو آگاہ کیا۔

یٰسین نے بتایا کہ رواں سال 17 اپریل کو انہوں نے ایک ایسی فیکٹری کے سامنے احتجاج کیا جس نے مبینہ طور پر کئی مزدوروں کو اس وجہ سے کام سے نکال دیا تھا کہ انہوں نے کم از کم اجرت، بونس اور سماجی تحفظ کے لیے آواز اٹھائی تھی۔ اس احتجاج میں اظہارِ یکجہتی کے لیے ایسے مزدور بھی شریک ہوئے جو اس فیکٹری میں کام نہیں کرتے تھے۔ تاہم پولیس نے ان کے احتجاج میں خلل ڈالا اور یٰسین اور ایک اور مزدور کو گرفتار کر لیا۔

ان کے ساتھی مزدوروں نے ان کی ضمانت کا انتظام کیا لیکن پھر ایک عجیب واقعہ ہوا۔ یٰسین کے مطابق کمپنی انتظامیہ نے ان کے لیے زیادہ مسائل کھڑے نہ کرنے اور مزدوروں کو احتجاج کے لیے جمع نہ کرنے کے عوض 45 ہزار روپے کی پیشکش کی (اس بارے میں رائے کے لیے کمپنی انتظامیہ سے بات نہیں ہو سکی)۔

یٰسین جو اب مزدوروں میں کافی مشہور ہو چکے ہیں، ان کا کہنا تھا کہ 'آخر ہم وہ رقم کیسے قبول کر سکتے تھے کہ جب ہمارے بھائی ان کے استحصال کا شکار تھے؟ وہ رقم کسی مزدور کے حصے سے ہی آتی اور یہ ہمیں کبھی قبول نہیں ہوتا'۔

یٰسین نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے بتایا کہ جب رشوت کی پیشکش کارگر ثابت نہ ہوئی تو پھر دھمکیاں دی گئیں۔

احتجاج کے لیے کوئی جگہ نہیں

28 سالہ ہمت بھی ڈھابے پر ہماری گفتگو میں شامل ہو گیا۔ ہمت بھی ایک فیکٹری میں ملازم ہے جو بین الاقوامی برانڈز کو جینز فراہم کرتی ہے۔ اس نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اپنی زندگی کا بہترین دور کمپنی کو دینے کے باوجود وہ ماہانہ صرف 20 ہزار روپے کماتا ہے جبکہ اس دوران کمپنی کا کاروبار 3 گنا بڑھ گیا ہے۔

گزشتہ ماہ ہمت اور کچھ دیگر مزدور فیکٹری کے اندر بھوک ہڑتال کر رہے تھے۔ ہمت کا کہنا تھا کہ انہوں نے مطالبات تسلیم کیے جانے تک بھوک ہڑتال جاری رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان کے مطالبات میں تمام مزدوروں کو امپلائیز اولڈ ایج بینیفٹس انسٹیٹیوشن کے کارڈز کا اجرا بھی شامل تھا۔ اسی دوران فیکٹری کے باہر ہمت کے ساتھی بھی احتجاج کرنے والے تھے۔ یہ وہ مزدور تھے جنہیں کمپنی نے بغیر کسی وجہ کے نکال دیا تھا۔

آدھی رات کے قریب جب وہ مزدور فیکٹری تک پہنچے تو 3 پولیس وین بھی موقع پر پہنچ گئیں۔ ہمت کے مطابق تقریباً 17 مظاہرین کو گرفتار کیا گیا اور ان میں سے کچھ گرفتاری کے دوران زخمی بھی ہوئے۔

ہمت کے مطابق 'افسوسناک بات تو یہ ہے کہ ہم اپنے جائز مطالبات کے لیے احتجاج بھی نہیں کر سکتے۔ کمپنی کی انتظامیہ جانتی تھی کہ ہم باہر موجود مظاہرین کے ساتھ رابطے میں ہیں اس وجہ سے انہوں نے پُرامن مظاہرے میں مداخلت کی'۔

ان مظاہرین نے کم از کم اجرت کی ادائیگی اور سماجی تحفظ کی رجسٹریشن کے مطالبے کے لیے ستمبر میں بھی ایک ایسا ہی مظاہرہ کیا تھا۔

ہمت کا کہنا ہے کہ 'اب مجھے ہدف بنا لیا گیا ہے'۔ ہمت مزید کہتے ہیں کہ وہ کئی سالوں سے اس کمپنی میں کام کر رہے ہیں لیکن جب بھی مزدوروں نے اپنا آئینی حق استعمال کرتے ہوئے کبھی یونین بنانے یا اپنے مطالبات پیش کرنے کی کوشش کی تو کمپنی نے خاموش کروانے کے لیے انہیں ہراساں کیا۔

ریاض* بھی پہلے اسی فیکٹری میں ایک مزدور تھے اور انہوں نے بھی 11 اکتوبر کو منعقدہ مظاہرے میں شرکت کی تھی۔ مظاہرے کے وقت وہ اس کمپنی کے ہی ملازم تھے۔ انہوں نے بتایا کہ 'مظاہرے کے وقت میں ایک ہفتے کی چھٹی پر تھا لیکن میں نے اپنے ساتھیوں سے یکجہتی کے لیے مظاہرے میں شرکت کا فیصلہ کیا۔ چونکہ میں 7 سالوں سے اس کمپنی میں کام کر رہا تھا اس وجہ سے مجھے امید تھی کہ مجھے کوئی

سزا نہیں دی جائے گی۔لیکن جب میں چھٹیوں کے بعد فیکٹری لوٹا تو منیجر اپنے آدمیوں کے ساتھ میرے پاس آیا اور مجھے فوراً استعفیٰ دینے کے لیے کہا اور زبردستی مجھ سے استعفے پر دستخط کروائے'۔

ہمت نے ہمیں بتایا کہ 'جب ہماری مصنوعات خریدنے والے بین الاقوامی برانڈز کے آڈیٹر بھی آتے ہیں تو ہمیں ان سے بات کرنے اور اپنی پریشانی کا اظہار کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔آڈیٹر کے سامنے سچ بولنا تو بہت دُور کی بات ہے ہم تو کسی ہراسانی یا ادائیگیوں سے متعلق مسائل پر منیجر سے بھی بات نہیں کر سکتے'۔

ریاض اور رفیق دونوں کے ہی کاموں کی نوعیت ایسی تھی جس کے لیے انہیں دستانوں اور دیگر حفاظتی آلات کی ضرورت ہوتی تھی۔ریاض جینز کو رنگنے کا کام کرتا تھا جبکہ رفیق جینز بنانے میں استعمال ہونے والے مختلف کیمیکلز کا لوڈر تھا۔ رفیق نے بتایا کہ 'استعمال کرنا تو درکنار ہم نے آج تک حفاظتی آلات دیکھے بھی نہیں۔ مجھے اس کام کے خطرات کا علم ہے لیکن میں کیا کر سکتا ہوں؟'

فیکٹری میں کام کرنے والوں کو یہ محسوس کروایا جاتا ہے جیسے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ان مزدوروں کا کہنا ہے کہ فیکٹری کے اندر کام کرنا جہاں باہر کا کوئی فرد نظر رکھنے کے لیے موجود نہیں ہوتا انہیں بدسلوکی اور ہراسانی کا شکار ہونے کے خطرے سے دوچار کر دیتا ہے۔انہوں نے بدسلوکی کے کئی واقعات بیان کیے جن کی تصدیق کرنا بہت مشکل ہے۔

ان مزدوروں نے کچھ 'ثبوت' بھی پیش کیے۔انہوں نے ایک ویڈیو دکھائی جس میں ایک خاتون اپنے بھائی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی ہیں اور خود کو اور اپنے بھائی کو لگنے والی چوٹیں اور زخم دکھا رہی ہیں۔وہ جس فیکٹری میں کام کرتی تھیں مبینہ طور پر یہ زخم ان کو اس فیکٹری کے لوگوں کے ہاتھوں پہنچے تھے۔

سیما نامی وہ خاتون ایک فیکٹری میں ملازم ہیں۔دیگر مزدوروں کے مطابق انہیں اور ان کے بھائی کو کمپنی کے لوگوں نے اس وجہ سے تشدد کا نشانہ بنایا کیونکہ سیما نے بونس کا تقاضا کیا تھا جو اسے نہیں دیا گیا تھا۔کمپنی کے خلاف درخواست جمع کروانے کی کوششیں بھی بارآور ثابت نہ ہوئیں۔

ڈرانے دھمکانے کی یہ ترکیبیں اپنا اثر بھی دکھاتی ہیں۔ یہ مزدور سوچتے ہیں کہ ایک عورت آخر ایسے ماحول میں اپنے لیے کیسے آواز اٹھائے گی؟

فاسٹ فیشن کی اصل قیمت

لیمین، ہمت، ریاض، رفیق اور ان جیسے ہزاروں مزدور مغرب میں فاسٹ فیشن کی دوڑ کو ممکن بناتے ہیں۔ بین الاقوامی منڈیوں میں ان برانڈز کی ایک جینز کی قیمت تقریباً 40 ڈالر ہوتی ہے۔کراچی میں واقع فیکٹریوں میں مزدوروں کو مختلف کاموں کی ذمہ داری دی جاتی ہے۔ایک مزدور کپڑا کاٹتا، دوسرا سیتا اور تیسرا تراش خراش کرتا ہے اور یوں ہر مزدور کے ذمے ایک کام ہوتا ہے۔انہیں تیزی سے کام کرنا ہوتا ہے۔وہ مسلسل ایک ہی کام بار بار انجام دیتے ہیں۔

ہمت کے مطابق، 'ہمیں ایک دن میں اوسط 800 پیس تیار کرنے کا ہدف دیا جاتا ہے'۔تاہم چند مواقع پر یہ ہدف اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ ہمت نے بتایا کہ، 'ہمارے انچارج ہمیں دیے گئے ٹارگٹ کی تکمیل کو یقینی بناتے ہیں، جو بعض اوقات ایک ہزار سے 1200 پیس فی دن تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ تھکا دینے والا کام ہوتا ہے مگر حالات کو بدلنا ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔'

ہمت کا ماننا ہے کہ فیکٹری مالکان با آسانی ہر مزدور کو 25 ہزار روپے کی کم از کم ماہانہ اجرت ادا کر سکتے ہیں لیکن بھاری منافعوں کی پیاس اور برانڈز کی جانب سے لاگتوں میں کمی کے لیے دباؤ کے باعث وہ ایسا نہیں کر پاتے۔

لیمین کا کہنا ہے کہ 'مجھے نہیں معلوم کہ جو لوگ ان ملبوسات کو استعمال کرتے ہیں انہیں یہ خبر ہے بھی یا نہیں کہ جن کپڑوں کو مزدور اپنا خون پسینہ بہا کر بناتے ہیں وہ کس قدر (مزدوروں کے لیے) ذلت کے حامل ہوتے ہیں۔'

اب تک ان مصنوعات کے صارفین کو یہ اندازہ ہو جانا چاہیے کہ حوصلہ افزا پیغامات سے مزین ان کی ٹی شرٹوں کی تیاری کے لیے مزدوروں کو کس اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

2018ء میں گلوبل لیبر جسٹس کی جاری کردہ 2 رپورٹس میں ایشیا کی فیکٹریوں میں Gap اور H&M کے ملبوسات کی تیاری کے دوران خواتین مزدوروں کو جس استحصال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا مفصل جائزہ پیش کیا گیا تھا۔اس وقت سے دیگر برانڈز بھی کڑی تنقید کی زد میں ہیں۔

تاہم پاکستان میں اس طرح کے استحصال اس قدر پوشیدہ ہیں کہ فاسٹ فیشن برانڈز کے صارفین تو کیا عام پاکستانی بھی ان حالات سے لاعلم ہیں جن میں ان کے ملبوسات تیار کیے جاتے ہیں۔

مزدوروں کے حالات کی جانچ پڑتال

2019ء میں سندھ ہائی کورٹ نے سندھ کی فیکٹریوں میں مزدوروں کے حالات کی تفتیش کے لیے ایک کمیشن تشکیل دیا تھا۔کمیشن نے فیکٹریوں میں جا کر کم از کم اجرت پر عمل درآمد کروانے کے ذمہ دار انسپیکٹرز کی متعدد اسامیاں خالی پائیں۔

کمیشن کی رپورٹ کے مطابق، 'ہم نے جب لیبر محکمے اور کم از کم اجرت کے بورڈ کے چیئرمین سے پوچھا کہ آیا کہیں کم از کم اجرت کی خلاف ورزی کی گئی ہے یا نہیں، تو انہوں نے سندھ کم از کم اجرت ایکٹ کی خلاف ورزی سے متعلق باتوں کو بے بنیاد قرار دے دیا'۔

رپورٹ میں لکھا ہے کہ جب کم از کم اجرت کے بورڈ کے چیئرمین اور اس وقت سندھ میں لیبر ڈائریکٹر کے طور پر اپنی خدمات انجام دینے والے سعید صالح جمانی سے پوچھا گیا کہ آیا ان کے محکمے نے کسی فیکٹری کو کم از کم اجرت نہ دینے پر سزا دی ہے تو وہ خاموش رہے۔

وکیل جبران ناصر نے ای او ایس کو بتایا کہ، 'میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی تمام صنعتوں میں مزدوروں کو جن حقیقی مسائل کا سامنا ہے ان میں کم از کم اجرت کی عدم ادائیگی، SESSI (سندھ ایمپلائز سوشل سیکیورٹی انسٹیٹیوشن) میں اندراج نہ ہونا، طبی بنیادوں پر بامعاوضہ چھٹیاں نہ ملنا، اوور ٹائم کے لیے مناسب معاوضہ نہ ہونا اور مرکزی آجروں کی جانب سے غیر ذمہ دارانہ رویہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ آجرین تیسرے فریق کی جانب سے بھرتی کیے گئے مزدوروں کو کام پر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ جوابدہی اور پریشانی سے بچا جا سکے کیونکہ صنعت مالکان مزدوروں کے بنیادی حقوق سے متعلق مسائل سے نمٹنے کو 'مہنگی پریشانی' تصور کرتے ہیں۔'

جبران ناصر کی مرتب کردہ فہرست میں زیادہ تر وہی مطالبات شامل ہیں جن کا ایک عرصے سے مزدور تقاضا کرتے چلے آ رہے ہیں۔انہیں بنیادی انسانی حقوق فراہم کیے جائیں کہ جن کو مانگنے پر انہیں سزا دے دی جاتی ہے۔اگرچہ کم از کم اجرت میں اضافہ ایک خوش آئند قدم ہے لیکن اگر مزدوروں کی حمایت میں اٹھائے جانے والے فیصلے صرف کاغذ تک ہی محدود رہیں تو ان سے استحصال کے شکار مزدوروں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ نے گزشتہ ماہ کہا تھا کہ صوبائی حکومت تمام سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں کم از کم اجرت کی ادائیگی کو یقینی بنائے گی۔تاہم پرانی تنخواہوں کے ساتھ بڑھتی مہنگائی کا سامنا کرنے والے مزدوروں کو ایسا ہونے کی زیادہ امید نہیں ہے۔

ڈھابے پر جمع ہونے والے اپنے ساتھی مزدوروں کی ترجمانی کرتے ہوئے رفیق کہتے ہیں کہ 'ہم معیشت کا پہیہ چلاتے ہیں مگر ہمیں بدلے میں کیا ملتا ہے؟ ہمارے بچے بھوک سے بلکتے ہیں اور روشن مستقبل پانے کے لیے اسکول نہیں جا پاتے۔ یہ ایک ایسی بے رحم چکی ہے جس میں ہم مسلسل پستے چلے آ رہے ہیں'۔

جب رات گہری ہونے لگی تو مزدور بھی اپنے گھر کی راہ لینے لگے۔انہیں اگلی صبح فیکٹری میں وقت پر اپنی حاضری لگوانی ہے۔

*شناخت کے تحفظ کے لیے نام تبدیل کیا گیا ہے۔

(بشکریہ ڈان)

بلوچستان میں جبری گمشدگیوں میں اضافہ: 'والد کے بعد اب بچے کا نام کون رکھے گا'

کفایت اللہ بلوچ بلوچستان کے ضلع قلات میں ایک سکول میں معلم کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ رواں برس دو فروری کو نوشکی اور پنجگور میں فرنٹیئر کور کے ہیڈکوارٹرز پر ہونے والے حملے ہوئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد کفایت اللہ لاپتہ ہو گئے۔

ان کی اس 'جبری گمشدگی' کی خبر ان کی اہلیہ کرن بلوچ نے بتائی۔

کوئٹہ پریس کلب میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کفایت بلوچ کی اہلیہ کرن بلوچ نے بتایا 'میرے شوہر کو 11 فروری کی شب گھر سے سکیورٹی فورسز کے اہلکاروں نے 'منگیچر' میں میری آنکھوں کے سامنے سے لاپتہ کیا۔

جب کرن پریس کانفرنس کرتے ہوئے تحریر پڑھ رہی تھیں تو اس وقت انھوں نے اپنی گود میں اپنا نومولود بچہ بھی اٹھا رکھا تھا۔ کرن نے بتایا کہ شوہر کی جبری گمشدگی کے پانچ روز بعد ہی ان کے گھر بچے کی پیدائش ہوئی۔

کرن بلوچ کا کہنا ہے کہ 'ہمارے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدائش کے چھٹے روز اس کا نام رکھنا والد کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ لیکن میرے اس بچے کے معاملے میں ایسا ممکن نہیں ہو سکا کیونکہ اس کی پیدائش سے پانچ روز قبل ہی اس کے والد کو جبری طور پر لاپتہ کر دیا گیا'۔

کرن بلوچ کی اب سب سے بڑی پریشانی یہی ہے کہ ان کے بچے کا اب نام کون رکھے۔

خیال رہے کہ کفایت بلوچ ہی واحد ایسے فرد نہیں ہیں کہ جنھیں حال ہی میں 'جبری طور پر لاپتہ' کیا گیا ہو۔ بلوچستان میں نوشکی اور پنجگور میں ہونے والے حملوں کے بعد جبری گمشدگیوں کے واقعات میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

حالیہ دنوں میں رپورٹ ہونے والے ایسے واقعات پر بلوچستان سے لاپتہ افراد کے رشتہ داروں کی تنظیم وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز (وی بی ایم پی) نے اپنے مؤقف میں کہا ہے کہ بلوچستان سے جبری گمشدگیوں کا سلسلہ دو دہائیوں سے جاری ہے لیکن رواں برس دو فروری کے بعد سے ان واقعات میں ایک مرتبہ پھر اضافہ ہوا۔

تاہم سرکاری حکام نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے مسنگ پرسنز کے معاملے کو بنیادی طور پر ایک سوچی سمجھی سازش قرار دیا ہے۔ ایک سینئر اہلکار کے مطابق 'اس سازش کے تحت دشمن پاکستان کو بدنام کرنے اور عوام کو حکومتی اداروں کے خلاف کرنے کی کوشش کر رہا ہے'۔

بلوچ قوم پرست حلقوں کے مطابق دو دہائی قبل بلوچستان سے جبری گمشدگیوں کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب سابق باوردی صدر پرویز مشرف کے دور حکومت میں حالات خراب ہوئے۔ تاہم ان میں اضافہ سنہ 2005 میں کوہلو میں فوجی آپریشن اور اس کے بعد 2006 میں نواب اکبر بگٹی کی ایک فوجی آپریشن میں مارے جانے کے بعد ہوا۔

سنہ 2000 سے اب تک بلوچستان کے مختلف علاقوں میں بدامنی کے واقعات پیش آتے رہے ہیں تاہم 2021 سے بولان اور اس سے متصل علاقوں کے علاوہ مکران اور آواران میں سکیورٹی فورسز پر حملوں میں اضافہ ہوا۔

اس کے ساتھ ساتھ سیکورٹی فورسز کے کیمپوں (مراکز) پر بھی حملوں میں اضافہ ہوا لیکن یہ حملے شہری آبادیوں سے بہت دور کے علاقوں میں ہوتے رہے۔ تاہم دو فروری 2022 کو افغانستان سے متصل ضلع نوشکی اور ایران سے متصل ضلع پنجگور کے شہری علاقوں کے قریب فرنٹیئر کور کے ہیڈکوارٹرز پر بڑے حملے ہوئے۔

وی بی ایم پی کے چیئرمین نصر اللہ بلوچ کے مطابق ان حملوں کے بعد سے نہ صرف دونوں اضلاع بلکہ بلوچستان کے مختلف علاقوں سے لوگوں کی جبری گمشدگی کے واقعات میں اضافہ سامنے آیا ہے۔

ان میں پنجگور سے تعلق رکھنے والے سوشل میڈیا پر متحرک سماجی کارکن ملک میران بلوچ اور خضدار سے تعلق رکھنے والے قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے ایم فل کے طالب علم حفیظ بلوچ بھی شامل تھے۔

ملک میران گمشدگی کے تین چار ہفتے بعد بازیاب ہوئے۔ تاہم حفیظ بلوچ اب تک بازیاب نہیں ہوئے ہیں اور ان کی بازیابی کے لیے اسلام آباد میں احتجاج کا سلسلہ جاری ہے۔

وی بی ایم پی کے چیئرمین نصر اللہ بلوچ نے دعویٰ کیا کہ پنجگور اور نوشکی میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان کے بعد سے اب تک سو سے زائد لوگوں کو جبری طور پر لاپتہ کیا گیا۔ تاہم ان کا کہنا تھا کہ ان میں سے 70 لوگوں کے رشتہ داروں نے تنظیم سے رابطہ کیا اور ان کے تمام تر کوائف تنظیم کو فراہم کیے ہیں، جن میں یونیورسٹیوں اور دیگر تعلیمی اداروں کے طالب علم بھی شامل ہیں۔

نصر اللہ بلوچ نے بتایا کہ دو فروری کے بعد سے پانچ افراد کی تشدد زدہ لاشیں بھی ملی ہیں، جن کے رشتہ داروں نے یہ بتایا کہ ان افراد کو مبینہ طور پر جبری طور پر لاپتہ کیا گیا تھا۔

فروری سے پہلے دو مہینوں میں کتنے لوگ لاپتہ ہوئے؟

وی بی ایم پی کے صدر نصر اللہ بلوچ کے مطابق فروری سے قبل دو مہینوں کا اگر فروری سے موازنہ کیا جائے تو جبری گمشدگیوں میں کہیں زیادہ اضافہ ہوا ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ دسمبر 2021 میں وی بی ایم پی نے جبری طور پر لاپتہ کیے جانے والے جن افراد کی ڈاکومینٹیشن کی ہے اور ایسے افراد کی تعداد 26 تھی۔ ان کے مطابق جنوری میں مجموعی طور پر 33 افراد کی گمشدگی کی فہرست تیار کی گئی جبکہ فروری میں گمشدہ ہونے والوں کی تعداد 50 ہو گئی۔

ایچ آر سی پی کا کیا کہنا ہے؟

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کے وائس چیئر مین حبیب طاہر ایڈووکیٹ نے بی بی سی کو بتایا کہ لاپتہ افراد کا مسئلہ بلوچستان میں پہلے سے تھا اور یہ اب بھی ہے۔

ان کے مطابق جہاں تک اعداد وشمار کی بات ہے تو یہ ہم اس لیے نہیں کہہ سکتے کیونکہ واقعات ہو رہے ہیں لیکن وہ رپورٹ نہیں ہو رہے ہیں۔

'تاہم وی بی ایم پی اور دیگر تنظیمیں یا جو سیاسی جماعتیں ہیں ان کا یہ دعویٰ ہے کہ نوشکی اور پنجگور واقعات کے بعد گمشدگیوں میں اضافہ ہوا ہے لیکن ہم ان کیسز کو زیادہ تر مانیٹر کرتے ہیں جو رپورٹ ہوئے ہیں'۔

انھوں نے کہا کہ 'ایچ آر سی پی کے پاس اکا دکا کیسز رپورٹ ہو رہے ہیں اور لوگ بازیاب بھی ہو رہے ہیں، جیسے ان واقعات سے پہلے ہو رہے تھے۔ ہم کوئی خاص فرق محسوس نہیں کر رہے ہیں لیکن بعض تنظیموں کا دعویٰ ہے کہ اضافہ ہوا ہے'۔

ان کا کہنا تھا کہ ایچ آر سی پی بطور تنظیم کسی ایک فرد کی جبری گمشدگی کے بھی خلاف ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ جرم ہے اس کا سدباب ہونا چاہیے۔

بلوچستان میں لاپتہ افراد کا یہ مسئلہ کب شروع ہوا؟

بلوچستان میں قوم پرست تنظیموں کا کہنا ہے کہ 70 کی دہائی میں ہونے والی شورش کے دوران بھی لوگوں کو جبری طور پر لاپتہ کیا گیا، جن میں بی این پی کے سربراہ سردار اختر مینگل کے بڑے بھائی اسد اللہ مینگل اور ان کے ساتھی احمد شاہ بھی شامل تھے، جن کی لاشوں کے بارے ابھی تک پتہ نہیں چل سکا کہ ان کو کہاں دفن کیا گیا۔

تاہم بلوچستان میں ایک مرتبہ پھر لوگوں کی جبری گمشدگی کا سلسلہ سابق صدر پرویز مشرف کے دور میں حالات کی خرابی کے ساتھ شروع ہوا۔

نصر اللہ بلوچ کا کہنا ہے کوئٹہ شہر سے ان کے چچا علی اصغر بنگلزئی وہ پہلے شخص تھے جن کو پہلی مرتبہ جون 2000 میں لاپتہ کیا گیا تاہم 14 دن بعد ان کو چھوڑ دیا گیا۔

اس کے بعد 18 اکتوبر 2001 میں انھی کو محمد اقبال نامی ایک شہری کے ساتھ ڈگری کالج کے سامنے سے دوبارہ لاپتہ کیا گیا۔ نصر اللہ بتاتے ہیں کہ 24 دن بعد محمد اقبال کو چھوڑ دیا گیا لیکن علی اصغر 20 سال سے زائد عرصے سے لاپتہ ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ گذشتہ دو دہائیوں سے ہزاروں افراد کو لاپتہ کیا گیا تاہم تنظیم نے مکمل کوائف کے ساتھ جن لوگوں کی فہرست بنائی ان کی تعداد چھ ہزار 225 بنتی ہے۔ تاہم ان میں سے جن کی شناخت ہوئی ان کی تعداد 1500 ہے جن کی تنظیم نے فہرست بھی مرتب کی ہے۔

مسخ شدہ لاشوں کی برآمدگی

وی بی ایم پی کے چیئر مین نصر اللہ بلوچ نے بتایا کہ جہاں 2000 سے لوگوں کی جبری گمشدگیوں کا سلسلہ شروع ہوا وہاں 2008 کے بعد سے ان کی تشدد زدہ لاشیں بھی برآمد ہوئیں۔

انھوں نے الزام عائد کیا کہ ان میں سے متعدد لاپتہ افراد کی مسخ شدہ لاشیں پھینکی گئیں۔ وی بی ایم نے دعویٰ کیا کہ لاپتہ افراد کی لاشوں کی برآمدگی کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

ایچ آر سی پی کی جانب سے مسلسل تشویش کا اظہار

ایچ آر سی پی نے سنہ 2021 کے حوالے سے بلوچستان سے جبری گمشدگیوں کے حوالے سے اپنی رپورٹ جاری نہیں کی ہے۔

تاہم کمیشن کی 2020 کی رپورٹ میں ان واقعات پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مذکورہ سال بھی جبری گمشدگیاں بلوچستان میں ایک سنگین انسانی مسئلہ رہا ہے۔

رپورٹ کے مطابق وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کا مستقل طور پر احتجاجی کیمپ کوئٹہ اور کراچی میں جاری رہا جبکہ احتجاجی ریلیاں بھی منعقد کی جاتی رہیں۔

ایچ آر سی پی کی رپورٹ میں کہا گیا کہ 'بلوچستان نیشنل پارٹی کے سربراہ سردار اختر مینگل نے اس معاملے کو نہ صرف قومی اسمبلی میں اٹھایا بلکہ پی ڈی ایم کے ایک کے جلسے میں بھی خبر رساں ادارے رئٹرز کے ساتھ ایک انٹرویو میں سردار اختر مینگل نے دعویٰ کیا کہ جبری طور پر لاپتہ کیے گئے 450 سے زائد افراد بازیاب ہوئے جبکہ اسی اثنا میں 1800 لوگ لاپتہ کیے گئے ہیں۔'

کمیشن کی رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ بعض کیسز میں لواحقین کو سکیورٹی فورسز نے آواز اٹھانے سے منع کیا۔

ایچ آر سی پی کے عہدیدار حبیب طاہر ایڈووکیٹ نے بی بی سی کو بتایا کہ 'جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ بلوچستان سے کئی سال سے سینکڑوں بلکہ اگر ہم کہیں کہ ہزاروں کے حساب سے افراد لاپتہ ہوئے ہیں اور مسخ شدہ لاشیں ملی ہیں تو یہ غلط نہیں ہوگا'۔

ان کے مطابق یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے بند نہیں ہوا۔

ان کا کہنا تھا کہ 'حکومت کا یہ کہنا کہ وہ اس میں ملوث نہیں ہے اور یہ سیاسی معاملہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں یہ درست نہیں بلکہ یہ ایک سنگین مسئلہ ہے جو بلوچستان میں موجود ہے جسے حکومت سنجیدہ نہیں لے رہی ہے'۔

ان کا کہنا تھا کہ 'ہم کہتے ہیں کہ حکومت کو اس کو سنجیدہ لینا چاہیے۔ جتنے بھی لوگ ہیں ان کو فوراً بازیاب کرنا چاہیے'۔

لاپتہ افراد کی بازیابی کے لیے طویل علامتی بھوک ہڑتالی کیمپ اور دو طویل لانگ مارچیں

بلوچستان سے لاپتہ افراد کی بازیابی کے لیے احتجاج کا سلسلہ تو جبری گمشدگیوں کے واقعات کے ساتھ شروع ہو گیا تھا۔

تاہم جب وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کے وائس چیئر مین ماما قدیر کے بڑے بیٹے جلیل ریکی کو لاپتہ کیا گیا تو اس کے بعد کوئٹہ میں ایک باقاعدہ علامتی بھوک ہڑتالی کیمپ قائم کیا گیا۔

اگرچہ ماما قدیر کے بیٹے کی مسخ شدہ لاش برآمد ہوئی لیکن علامتی بھوک ہڑتال کیمپ کو جاری رکھا گیا جسے اب تک چار ہزار چھ سو دنوں سے زیادہ ہوا ہے۔

اس کیمپ کو سردیوں میں کراچی منتقل کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ لاپتہ افراد کی بازیابی کے لیے طویل لانگ مارچ بھی کیے گئے۔ ان میں سے ایک پیدل لانگ مارچ سنہ 2013 میں ماما قدیر کی قیادت میں پہلے کوئٹہ سے کراچی اور پھر کراچی سے اسلام آباد تک کیا گیا۔

جبکہ دوسرا پیدل لانگ مارچ گلزار دوست بلوچ نے چند روز قبل ایران سے متصل بلوچستان کے سرحدی ضلع کیچ کے ہیڈکوارٹر تربت سے کوئٹہ تک کیا، جس کا فاصلہ 776 کلومیٹر بنتا ہے۔

سنہ 2019 میں اور اس کے بعد سے چار سو سے زائد افراد کی بازیابی

سنہ 2018 کے عام انتخابات کے بعد بلوچستان نیشنل پارٹی نے تحریک انصاف کے ساتھ حکومت سازی کے حوالے سے جو معاہدہ کیا اس میں سے ایک نکتہ لاپتہ افراد کی بازیابی کا تھا۔

تاہم سنہ 2018 کے اواخر اور سنہ 2019 میں بلوچستان میں پہلی مرتبہ خواتین کی بڑی تعداد جبری گمشدگیوں کے خلاف احتجاج کے لیے سامنے آئی۔

اس کی سب سے بڑی متحرک بلوچستان کے شورش سے متاثرہ علاقے آواران سے تعلق رکھنے والے بلوچ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے رہنما شبیر بلوچ کی بہن سیما بلوچ اور شبیر کی اہلیہ بنیں جو کہ شبیر بلوچ کی بازیابی کے لیے کوئٹہ آئیں اور یہ ان لاپتہ افراد کی بازیابی کے لیے علامتی بھوک ہڑتال میں بیٹھنا شروع کیا۔اس میں بڑی تعداد میں دیگر لاپتہ افراد کے خواتین رشتہ داروں نے بھی آنا شروع کیا۔

خواتین کی بڑی تعداد میں احتجاج میں شرکت کے بعد لاپتہ افراد کے رشتہ داروں کی تنظیم کے عہدیداروں سے بلوچستان کے مشیر داخلہ میر ضیا اللہ لانگو نے رابطہ کیا اور اس کے بعد وی بی ایم پی کے عہدیداروں کی وزیر اعلیٰ جام کمال سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔وی بی ایم پی کے چیئرمین نصر اللہ بلوچ نے بتایا کہ سنہ 2019 میں بلوچستان حکومت کے ساتھ آٹھ ملاقاتیں ہوئیں، جن کے دوران انھوں نے حکومت کو 890 لاپتہ افراد کے کیسز فراہم کیے ہیں، جن میں سے اب تک 480 لوگ بازیاب ہوئے۔

جبری گمشدگیوں کے حوالے سے سرکاری کمیشن پر عدم اعتماد کا اظہار

2008 کے عام انتخابات کے بعد پیپلز پارٹی کی حکومت کی جانب سے جبری گمشدگیوں سے متعلق جو حکومتی کمیشن قائم کیا گیا تھا، وی بی ایم پی نے تنظیم کی سطح پر اسے بے اختیار قرار دیتے ہوئے اسے مسترد کیا تھا تاہم لوگ انفرادی طور پر کمیشن کے سامنے پیش ہو رہے ہیں۔

26 فروری 2022 کو کوئٹہ میں پریس کلب کے باہر وی بی ایم پی کے زیر اہتمام ہونے والے مظاہرے میں نوشکی سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون نے کہا کہ ان کے دو بھائیوں آصف بلوچ اور رشید بلوچ کو نوشکی میں زنگی ناوڑ کے سیاحتی مقام سے ان کے متعدد دیگر ساتھیوں کے ہمراہ جبری طور پر لاپتہ کیا گیا۔

انھوں نے دعویٰ کیا کہ ان کے دونوں بھائیوں کے ساتھ ان کے جن دیگر ساتھیوں کو لاپتہ کیا گیا تھا، وہ سارے بازیاب ہوئے لیکن ان کے دونوں بھائی تاحال بازیاب نہیں ہوئے ہیں۔

خاتون نے کہا کہ جب وہ کمیشن کے سامنے پیش ہوئیں تو انھیں کمیشن کی جانب سے بتایا گیا کہ ان کے دونوں بھائی لاپتہ نہیں کیے گئے ہیں بلکہ وہ اپنی مرضی سے بیرون ملک گئے ہیں۔

ان کا کہنا تھا کہ میرے بھائیوں کی جبری گمشدگی کے گواہ وہ لوگ ہیں جو ان کے ساتھ لاپتہ کیے گئے ہیں لیکن کمیشن والوں نے کہا کہ وہ بیرون ملک گئے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ اس کمیشن سے ہم کیا توقع کر سکتی ہیں۔

لاپتہ افراد کے حوالے سے سرکاری حکام کا موقف کیا ہے؟

جب بلوچستان سے لوگوں کی جبری گمشدگی کے حوالے سے بلوچستان کے مشیر داخلہ میر ضیا اللہ لانگو سے رابطہ کیا گیا تو ان کا کہنا تھا کہ بلوچستان میں 20 سال سے دہشت گردی کا ماحول چل رہا ہے۔ان کے مطابق 'اس ماحول میں ایسے لوگ ہیں جو یہاں دہشت گردی بھی کرتے ہیں اور ایسے لوگ ہیں جو باہر ملک بھی گئے ہیں۔

ان کے مطابق لاپتہ افراد کا معاملہ ذرا پیچیدہ ہے کیونکہ کچھ لوگ ریاست کے خلاف کام کرتے ہیں اور ان کے غائب ہونے کی صورت میں ان کو لاپتہ ظاہر کیا جاتا ہے۔

میر ضیا اللہ نے کہا کہ کچھ لوگ حقیقت میں لاپتہ ہیں اور جب حکومت کو پتہ چل جاتا ہے تو حکومت ضرور کوشش کرتی ہے کہ ان کو بازیاب کرائے لیکن لوگوں کے پاس یہ ثبوت نہیں ہوتے ہیں کہ ان کو کس نے لاپتہ کیا تھا۔

انھوں نے کہا کہ یہ ایک مسئلہ تو ہے مگر اب حکومت کی کوششوں سے بہت سارے لوگ بازیاب ہو کر واپس بھی آ گئے ہیں۔

ان کا کہنا تھا کہ انھوں نے جب وی بی ایم پی کے لوگوں کو بلایا تو تنظیم کے چیئرمین نے انھیں 392 لاپتہ افراد کی فہرست دی۔

'جب میں نے دو تین ماہ پہلے حال احوال معلوم کیا تو ان میں سے 325 سے 330 لوگ واپس آ گئے تھے'۔

اس سوال پر کہ لاپتہ افراد کے حوالے سے ملکی قانون پر کیوں عملدرآمد نہیں کیا جا رہا ہے، ان کا کہنا تھا کہ حکومت قانون پر اس وقت ضرور عملدرآمد کرے گی جب یہ لوگ حکومت کے پاس ہوں۔

وی بی ایم پی کی جانب سے لاپتہ افراد کو جعلی مقابلوں میں مارے جانے کے الزام کو مسترد کرتے ہوئے مشیر داخلہ کا کہنا تھا کہ جو لوگ مارے جاتے ہیں وہ دہشت گردی کرتے ہوئے سکیورٹی فورسز سے مقابلے میں مارے جاتے ہیں۔

'اس سلسلے میں حکومت کے پاس کوئی معلومات اور ثبوت نہیں ہیں۔اگر معلومات اور ثبوت ہوں تو ریاستی اداروں سے ضرور پوچھا جائے گا'۔

'مسنگ پرسنز کا معاملہ بنیادی طور پر ایک سوچی سمجھی سازش ہے'

سکیورٹی فورسز سے تعلق رکھنے والے ایک سینیئر اہلکار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر کہا کہ مسنگ پرسنز کا معاملہ بنیادی طور پر ایک سوچی سمجھی سازش ہے، جس کے تحت دشمن پاکستان کو بدنام کرنے اور عوام کو حکومتی اداروں کے خلاف کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اہلکار نے بتایا کہ حکومت کے قائم کردہ کمیشن کے مطابق مسنگ پرسنز کے 8381 کیسز رپورٹ کیے گئے، جن میں سے 6163 کیسز عدالتی تحقیقات کے بعد ختم کر دیے گئے۔

ان کا کہنا تھا کہ کمیشن روزانہ کی بنیاد پر ان کیسز کی سماعت کرتا ہے اور تحقیقات کے مطابق زیادہ تر افراد کو دہشت گرد تنظیمیں اغوا کر کے قتل کر دیتی ہیں۔

سینیئر اہلکار نے بتایا اس کے علاوہ بہت سے لوگ دہشت گرد تنظیموں میں شامل ہو جاتے ہیں اور ان کے گھر والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ان کے بقول پی سی ہوٹل پر حملہ کرنے والوں میں شامل حمل فتح اس کی ایک مثال ہے۔

اہلکار نے بتایا کہ پاکستان کے قانون نافذ کرنے والے ادارے صرف چند لوگوں کو امن و امان قائم رکھنے کے لیے گرفتار کرتے ہیں، جن کو تفتیش کے بعد بے قصور ہونے کی صورت میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ 'پاکستان دشمن عناصر دہشت گرد تنظیموں کو استعمال کر کے لوگوں کو اغوا اور قتل کرواتی ہیں اور جب پاکستانی ایجنسیاں ایسے دہشت گرد گروہوں کے خلاف ایکشن لیتی ہیں تو ایک سوچی سمجھی چال کے مطابق الزام پاکستانی قانون نافذ کرنے والے اداروں پر لگایا جاتا ہے لیکن حکومت جلد اپنے باشعور اور بہادر عوام کے ساتھ سے ان سازشوں کو ناکام بنائے گی'۔

(بشکریہ بی بی اردو)

بلوچستان: خواتین کو صحت عامہ میں درپیش مشکلات

محمد ولی زہری

بلوچستان ملک کے دیگر صوبوں کی نسبت جدید ترقی سمیت تعلیم، صحت، روڈ، انفرسٹرکچر و دیگر بنیادی سہولیات کے حوالے سے انتہائی پسماندہ ہے۔ بلوچستان میں خواتین کی ایک بڑی شرح علاج و معالجہ کی عدم سہولیات کے باعث زندگی کی بازی ہار جاتی ہے۔ بلوچستان رقبے کے لحاظ سے ملک کا بڑا صوبہ ہونے کے ساتھ ساتھ صحت کی سہولیات کے حوالے سے انتہائی پستی پر ہے۔ بلوچستان میں خواتین کی اکثریت دوران حمل یا زچگی کے وقت موت کا شکار ہوجاتی ہے کیونکہ بکھری اور کم آبادی کے باعث ہسپتال طویل فاصلوں پر ہیں جہاں پہنچتے پہنچتے خواتین موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔

بلوچستان کی سوا کروڑ آباد کیلئے ڈاکٹروں کی تعداد انتہائی قلیل ہے اگر بلوچستان کی سوا کروڑ آبادی پر ایک ڈاکٹر 500 لوگوں کا علاج معالجہ کرے تو پھر بھی بلوچستان میں سوا چھ لاکھ ڈاکٹر ہونے چاہئیں لیکن اس کے باوجود صوبے میں ڈاکٹروں کی تعداد آبادی اور علاج معالجہ کی سہولیات کی نسبت بہت ہی کم ہے۔ بلوچستان میں صحت عامہ کی سہولیات کے لئے سالانہ اربوں روپے کا بجٹ مختص کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ہسپتالوں میں نہ تو ڈاکٹرز پورے ہیں اور نہ ہی ان سرکاری ہسپتالوں میں علاج اور ادویات میسر ہیں۔ بلوچستان شاید ملک کا واحد صوبہ ہے جہاں نہ تو میرٹ اور نہ ہی گورننس آپ کو نظر آئے گا بلوچستان کے 33 اضلاع میں ہسپتال ہونے کے باوجود عوام ان سے بہتر طور فیض یاب ہونے سے قاصر ہیں جبکہ ظلم یہ ہے کہ سوا کروڑ عوام کو اب نام نہاد حکیموں یا عطائی معالجوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

ایسے نان کوالیفائیڈ ڈاکٹروں کی بدولت بلوچستان میں بیماریوں کی شرح دیگر صوبوں کی نسبت بہت زیادہ ہے بلوچستان میں خطرناک امراض میں ہیپاٹائٹس جیسی بیماری ان عطائی ڈاکٹروں کی وقتی علاج اور ریلیف کی بدولت بڑھتی جارہی ہے۔ پاکستان میں صحت کی دیکھ بھال کرنے والی تنظیمیں شرح پیدائش کو کنٹرول کرنے اور لوگوں میں آگاہی پیدا کرنے کے لیے اقدامات کر رہی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں زچگی کی شرح اموات 276 فی 100,000 ہے۔ خاص طور پر بلوچستان میں، ہسپتالوں کی خراب حالت، ڈاکٹروں اور دائیوں کی کم تعداد، کم شرح خواندگی، اور کم عمری کی شادیوں کی وجہ سے زچگی کی شرح اموات 600 فی 100,000 ہے۔ اقوام متحدہ کے پاپولیشن فنڈ (یو این ایف پی اے) کے مطابق صوبے میں ہر تین گھنٹے میں ایک عورت زچگی کی ایسی پیچیدگیوں کے باعث مر جاتی ہے جن کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان میٹرنل مورٹیلٹی سروے 2019 کے مطابق پاکستان میں زچگی کے دوران اموات کی شرح سب سے زیادہ بلوچستان میں ہے جہاں ایک لاکھ زچگیوں کے دوران 298 مائیں موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔

قومی سطح پر یہ تناسب ایک لاکھ پیدائشوں پر 187 اموات کا ہے یعنی بلوچستان میں اموات کی یہ شرح باقی ملک سے تقریباً 40 فیصد زائد ہے۔ بلوچستان میں حاملہ خواتین کی پیدائش سے پہلے دیکھ بھال نہ ہونے کے ساتھ ساتھ تربیت یافتہ طبی عملے کی شدید کمی، اور مناسب سہولیات سے آراستہ ہسپتالوں اور صحت کے مراکز تک رسائی میں مشکلات صوبے میں زچگی کے دوران خواتین کی اموات کی اہم وجوہات ہیں۔ بلوچستان کے متعدد اضلاع میں زچگی کے دوران ماؤں کی اموات کی شرح زیادہ ہے جہاں زچہ و بچہ کے لیے جامع دیکھ بھال کی سہولیات یعنی ماہر امراض نسواں، ماہر امراض اطفال سمیت تربیت یافتہ طبی عملہ، لیبر روم، آپریشن تھیٹر اور دیگر ضروری سہولیات موجود نہیں۔

واضح رہے کہ کوئٹہ کے علاوہ بلوچستان کے 33 اضلاع میں سے صرف خضدار، تربت، سبی، جعفرآباد اور حب کے علاوہ چند دیگر سرکاری ہسپتالوں میں سیزرین سیکشن آپریشن ہو رہے ہیں۔ راقم کو محکمہ صحت کے ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ صوبے کے 85 فیصد اضلاع کے سرکاری ہسپتالوں میں گائنا کالوجسٹ یا پھر ایسی سہولیات ہی نہیں جن کی مدد سے زچگی کے دوران پیدا ہونے والی پیچیدگیوں سے نمٹ کر ماؤں کو موت کے منہ میں جانے سے بچایا جا سکے۔ ایسی صورت میں ملک کے تقریباً نصف رقبے پر مشتمل بلوچستان میں حاملہ خواتین کو محفوظ طریقے سے بچے کو جنم دینے کے لیے 200 کلومیٹر تک کا سفر بھی کرنا پڑتا ہے لیکن ان میں سے ایک بڑی تعداد کوئٹہ یا پھر کسی دوسرے بڑے شہر کے ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ جاتی ہیں۔ اگر کسی حاملہ خاتون کو آپریشن کی ضرورت پڑے تو اسے 200 سے 300 کلومیٹر کا سفر طے کر کے کوئٹہ، خضدار یا پھر کراچی لاڑکانہ ڈیرہ غازی خان و دیگر شہروں میں لے جانا پڑتا ہے۔ وفاقی وزارت صحت کی 2017 کی ایک رپورٹ کے مطابق بلوچستان ملک کے ان صوبوں میں شامل ہے جہاں افرادی قوت کی کمی سب سے زیادہ ہے۔ بلوچستان میں 10 ہزار کی آبادی کے لیے صرف پانچ ڈاکٹر جبکہ صرف دو نرس یا مڈ وائف ہیں۔ یہ شرح باقی ملک کے مقابلے میں تقریباً نصف ہے۔ باخبر ذرائع کے مطابق بلوچستان میں طبی عملے بالخصوص گائنا کولوجسٹ، خواتین ڈاکٹر، اینستھیزسٹ اور تربیت یافتہ دائیوں کی شدید کمی ہے۔

اینستھیزسٹ تو کوئٹہ کے بڑے ہسپتالوں میں بھی پورے نہیں ہیں۔ بجٹ دستاویزات کے مطابق بلوچستان میں محکمہ صحت کے ملازمین کی تعداد 29 ہزار سے زائد ہیں تاہم ان میں گائنا کولوجسٹ کی تعداد تقریباً 50 اور فی میل میڈیکل آفیسرز) لیڈی ڈاکٹر (700 کے لگ بھگ ہیں۔ ان میں سے بھی نصف سے زائد لیڈی ڈاکٹرز کوئٹہ میں تعینات ہیں جبکہ باقی اضلاع میں بڑی تعداد میں یہ آسامیاں خالی بھی ہیں۔ صوبے کے دور دراز علاقوں میں خواتین ماہرین ڈاکٹرز رہائش، سکیورٹی اور دوسری بنیادی سہولیات کی عدم موجودگی کے باعث ہی نہیں جاتے ہیں۔

ڈی جی ہیلتھ کے مطابق بلوچستان کے 34 اضلاع میں مجموعی طور پر 1600 سے زائد ہسپتال اور صحت کے مراکز ہیں جن میں نو ٹیچنگ ہسپتال، دو ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہسپتال، 28 ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال، پانچ تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال، 108 رورل ہیلتھ سینٹرز، 784 بنیادی مراکز صحت جبکہ 91 زچہ و بچہ مراکز شامل ہیں۔ بلوچستان میں صحت کے شعبے پر سالانہ تقریباً 50 ارب روپے سے زائد خرچ ہونے کے باجود پاکستان سوشل اینڈ لیونگ سٹینڈرنگ میزرمنٹ سروے 2019-20 میں صوبے کے 28 میں 17 اضلاع میں صحت کے اشاریوں کو بدترین قرار دیا گیا ہے۔

بلوچستان کی تقریباً 80 لاکھ سے زائد آبادی صحت کی ہر سہولت سے محروم ہے۔ بلوچستان کے لوگوں کو علاج کے لیے ہزاروں کلومیٹر کا سفر طے کر کے کوئٹہ کراچی یا سندھ و پنجاب کے نزدیکی شہروں میں جانا پڑتا ہے۔ وہ شوگر، دل، بلڈ بریشر، پولیو، ملیریا، ٹائیفائیڈ، فالج خسرہ، ہیپاٹائٹس بی سی ڈی اور بالخصوص زچگی جیسی بیماریوں میں مبتلا ہیں اور عموماً خواتین مذکورہ وجوہات کی بناء پر بچے کی پیدائش کے دوران ہی مر جاتی ہیں۔ بلوچستان میں صرف چھ بڑے ہسپتال ہیں جو صوبے کے دارالحکومت کوئٹہ میں واقع ہیں۔ کوئٹہ سے باہر ایک بھی اچھا ہسپتال نہیں ہے۔ صوبے میں صحت عامہ کی سنگین صورتحال کا ذمہ دار اور قصوروار کون ہے؟ سیاستدان، نواب اور سردار، وفاقی حکومت، آمر، یا بلوچستان کے عوام؟ ہر سال سول ہسپتال اور بی ایم سی کے لیے مختص بجٹ ایک ارب روپے سے زائد ہے اور پھر بھی ایکسرے مشینوں کی حالت انتہائی خستہ ہے۔ ہسپتال میں مریضوں کو رکھنے کے لیے اچھے بستر بھی نہیں ہیں اور ڈاکٹر اکثر انہیں علاج کے لیے دیئے گئے ناقص آلات کی شکایت کرتے ہیں۔ تمام اسپتالوں میں 3415 بستر ہیں یعنی 2354 افراد کے لیے ایک بستر۔

مزید یہ کہ ہر 20000 افراد پر مشتمل ایک لیڈی ہیلتھ ورکر ہوتا ہے جو کہ صحت کی بنیادی سہولت کیلئے اکائی کی مانند ہے۔ بلوچستان میں صحت کی صورتحال انتہائی ابتر ہے۔ بلوچستان کے سابق وزیراعلی جام کمال خان کے دور میں ڈاکٹروں کی کمی کو پورا کرنے کیلئے ایک ہزار سے زائد ریٹائرڈ اور نوجوان ڈاکٹروں کو اسپتالوں کو بہتر بنانے کیلئے ایڈہاک بنیادوں پر تعینات کر دیا گیا تھا تاکہ بلوچستان کے عوام کو صحت کی بہتر سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ مگر محض ایڈہاک بنیادوں پر تقرری سے بلوچستان میں صحت عامہ اور صوبے کے غریب عوام علاج کے بہتر سہولیات سے کیا مستفید ہوسکیں گے۔ جبکہ حکومت کی لفاظی اقدامات کے باوجود غریب صوبے کے عوام بالخصوص خواتین بروقت علاج و معالجہ کی سہولیات سے اب تک کیونکر مستفید نہیں ہو رہے ہیں کیا بلوچستان میں صحت کا نظام اپاہج ہو چکا ہے یا پھر جان بوجھ کر بلوچستان کے عوام کو صحت مند کے بنانے کے بجائے بیمار بلوچستان بنانے کے مشن پر کام کیا جا رہا ہے۔ یہی سوال دراصل حکومت کی کارگردگی پر سوالیہ نشان ہے۔

(بشکریہ روزنامہ آزادی)

انتہا پسندی

توصیف احمد خان

ڈیرہ اسماعیل خان کی معلّمہ سفورہ بی بی کو توہینِ مذہب کا الزام لگا کر ان کی تین طالبات نے ذبح کر دیا۔ مدرسہ کی 13 سالہ طالبہ نے خواب میں دیکھا کہ اس کی معلّمہ توہینِ مذہب کی مرتکب ہوئی ہے اور اس کو بشارت ہوئی کہ معلّمہ کو ذبح کر دیا جائے۔

یوں انھوں نے صبح جیسے ہی ان کی معلّمہ مدرسہ میں داخل ہوئی یہ فریضہ انجام دیا۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے ڈسٹرکٹ پولیس افسر نجم الحسین کا کہنا تھا کہ مبینہ ملزمان کی عمریں 17، 21 اور 24 سال ہیں۔ انھوں نے مبینہ توہین مذہب کے الزامات پر اپنی 21 سالہ معلّمہ کو قتل کیا۔

ڈی آئی خان کے شہر کے تھانہ میں درج ایف آئی آر میں تحریر کیا گیا ہے کہ پولیس جب مدرسہ میں داخل ہوئی تو مقتولہ کو خون میں لت پت پایا۔ مقتولہ کا گلا کاٹنے کے لیے تیز دھار ہتھیار استعمال کیا گیا، یوں جنونیت کی بناء پر ایک اور استاد زندگی سے محروم کر دی گئیں۔ کسی مدرسہ میں معلّمہ کے قتل کی یہ پہلی واردات ہے۔ ملک میں انتہا پسندی کے عروج کے بعد کسی استاد کا پہلا قتل نہیں ہے۔

چند سال قبل بہاولپور کے کالج میں ایک استاد کو ایک طالب علم نے اس وجہ سے قتل کیا تھا کہ اس استاد نے کالج میں ہونے والے ایک پروگرام میں طالبات کی شرکت پر احتجاج کو مسترد کیا تھا اور طالب علم کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ جب طالبات کلاس میں ساتھ تعلیم حاصل کر سکتی ہیں تو پھر کالج میں ہونے والے ہر پروگرام میں انھیں شرکت کا حق بھی ہے۔

کراچی یونیورسٹی کے کلیہ معارف اسلامیہ کے ڈین ڈاکٹر شکیل اوج نے اسلامی علوم میں تحقیق کے جدید اصولوں کو اپناتے ہوئے فرسودہ خیالات کے تدارک کے لیے مضامین اور کتابیں لکھنے پر شہرت حاصل کی تھی۔ انھیں ظالم ٹارگٹ کلر نے کراچی میں یونیورسٹی روڈ پر ایک کار میں سفر کے دوران دور سے نشانہ لگا کر قتل کیا تھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد کراچی یونیورسٹی کے شعبہ ابلاغ عامہ کے استاد ڈاکٹر وحید الرحمٰن یاسر رضوی کو یونیورسٹی آتے ہوئے نامعلوم ٹارگٹ کلرز نے قتل کیا تھا۔ کراچی پولیس ان اساتذہ کے قاتلوں کو تلاش کرنے میں ناکام رہی۔ خیبر پختونخوا کی ولی خان یونیورسٹی کے شعبہ ابلاغ عامہ کے طالب علم مشال خان کو ایک جنونی ہجوم نے یونیورسٹی کے احاطہ میں تشدد کر کے قتل کیا تھا۔

مشال خان یونیورسٹی میں روشن خیال نظریات پر بحث ومباحثہ کرتا تھا۔ ڈیرہ غازی خان سے تعلق رکھنے والے جنید حفیظ نے انگریزی کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ وہ دنیا کے سب سے بڑے اسکالرشپ فل برائٹ کے لیے منتخب ہوئے اور اس اسکالرشپ کے تحت تعلیم مکمل کر کے بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی میں اعانتی استاد مقرر ہوئے۔

اس بات کے امکانات روشن تھے کہ جنید حفیظ لیکچرار کی مستقل آسامی پر منتخب ہو جائیں گے، حاسدوں نے ان پر توہین مذہب کا الزام لگایا۔ انسانی حقوق کی تنظیم Human Rights Commission of Pakistan ملتان ٹاسک فورس کے سربراہ راشد رحمٰن ایڈووکیٹ نے جنید حفیظ کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے ان کی وکالت کی۔ انھیں نامعلوم ٹارگٹ کلرز نے ان کے دفتر میں قتل کیا۔ جنید حفیظ ساہیوال جیل کی سزائے موت کی کھولی میں گزشتہ 10 برسوں سے انصاف کے منتظر ہیں۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے مدرسہ کی معلّمہ کو ان کی طالبات کا ذبح کرنا انفرادی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ واقعہ معاشرہ میں مذہبی انتہا پسندی کی جڑوں کی گہرائی کو ایک بار پھر آشکار کر رہا ہے۔

اس صدی میں اس انتہا پسندی کا شکار صرف اساتذہ ہی نہیں ہوئے بلکہ شاعر، ادیب، وکلاء، ڈاکٹر، خواتین اور علمائے کرام بھی ہوئے۔ گزشتہ سال کے آخری مہینہ میں سیالکوٹ میں سری لنکا کے ایک شہری کو جو ایک فیکٹری میں مینیجر تھا اور فیکٹری میں نظم ونسق کے لیے مشہور تھا ایک ہجوم نے پتھر، گھونسے اور لاتیں مار کر ہلاک کیا۔ دو سال قبل جنوبی پنجاب میں ایک بینک کے مینیجر کو گارڈ نے مذہب کی توہین کا الزام لگا کر قتل کیا تھا۔

پی ٹی آئی کی حکومت نے اپنی پالیسیوں کے ذریعہ اس صورتحال کو مزید خراب کیا۔ حکومت کی ایک پالیسی طالبان کی حکومت کو دنیا بھر میں تسلیم کرانا ہے۔ اس حکومت نے ایک بار پھر طالبات کے اسکول بند کر دیے ہیں اور سرکاری ملازمین کو حکم دیا ہے کہ وہ داڑھی رکھیں ورنہ انھیں ملازمت سے محروم کر دیا جائے گا۔ بیرونی ممالک جانے والی خواتین پر محرم کے بغیر سفر پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ اس حکومت نے یکساں نصاب کے نام پر انتہا پسندی کو فروغ دینا شروع کر دیا ہے۔ وزیر اعظم عمران خان نے اپنی تقاریر میں مذہبی کارڈ کو زیادہ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ گزشتہ ہفتہ اسلام آباد کے پریڈ گراؤنڈ کے جلسہ کو ''امر بالمعروف'' کا نام دیا گیا، یوں یہ عنوان دے کر انھوں نے مذہبی اختلاف کو مذہبی مخالفت ثابت کرنے کی مہم شروع کی۔ معروف کالم نگار جاوید چوہدری نے گزشتہ ہفتہ اپنے کالم میں لکھا کہ ایک پاکستانی ہندو شہری نے شکوہ کیا ہے کہ وزیر اعظم نے پریڈ گراؤنڈ کی تقریر میں صرف مسلمان شہریوں کو ایڈریس کیا۔ انھوں نے باقی مذہب سے تعلق رکھنے والے اس ملک کے شہریوں کو نظر انداز کیا۔

اس ملک میں مذہبی انتہا پسندی کو تقویت اس وقت ملی جب جنرل ضیاء الحق کی حکومت امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کے افغانستان کی عوامی حکومت کو ناکام بنانے کے پروجیکٹ کا حصہ بنی۔ اس وقت کے امریکی صدر ریگن نے افغانستان کے اس پروجیکٹ کے لیے جو دراصل سوویت یونین کے خلاف تھا کو جہاد قرار دیا۔ ایک منصوبہ کے تحت انتہا پسندی کو فروغ دیا جانے لگا جس کا نقصان دہشت گردی کی صورت میں سامنے آیا۔ پہلی خاتون وزیر اعظم بے نظیر بھٹو، بشیر بلور اور ہارون بلور سمیت آرمی پبلک اسکول پشاور کے بچوں سمیت ہزاروں افراد اس دہشت گردی کا شکار ہوئے۔

سابق صدر پرویز مشرف کی حکومت نے محسوس کیا کہ انتہا پسندی کی بناء پر ملک میں دہشت گردی ہو رہی ہے بلکہ پوری دنیا میں پاکستان کا چہرہ متاثر ہو رہا ہے تو مدارس کی اصلاحات اور اسکول، کالجوں اور یونیورسٹی کی سطح کے نصاب سے جنونی مواد کے خراج اور سائنسی مضامین کے اندراج کے لیے اقدامات ہوئے مگر اسی دوران کچھ سیاستدان تنقید کرنے لگے، مگر 2010ء میں اٹھارہویں ترمیم کے تحت تعلیم کو صوبائی حکومتوں کی ذمے داری قرار دیا گیا تو سندھ، خیبر پختونخوا اور بلوچستان کی حکومتوں نے نصاب کو جدید خطوط پر ترتیب دینے کے لیے ماہرین تعلیم کی خدمات حاصل کیں۔

یوں ان تینوں صوبوں کے اسکولوں کے نصاب میں مثبت تبدیلیاں عمل میں آئیں مگر موجودہ حکومت نے یکساں نصاب کا نعرہ لگا کر عوام کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی، یوں رجعت پسندی کو فروغ دینے کا سلسلہ شروع ہوا۔

ماہر تعلیم ڈاکٹر ریاض پاکستان کی تعلیمی صورتحال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حکمراں کے لیے جب عوام کو دینے کو کچھ نہیں ہوتا تو وہ رجعت پسند مواد کو تعلیمی نصاب کا حصہ بنا کر عوام میں مقبول ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ ان پالیسیوں کو ترک کر کے معاشرہ میں ہر سطح پر رجعت پسندی کو ختم کرنے کے لیے ٹھوس اقدامات کیے جائیں، دوسری صورت میں یہ قتل وغارت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس)

سنا ہے جنگلوں کا بھی کوئی دستور ہوتا ہے

اسرارالدین اسرار

ملک کی اکثریتی آبادی آج بھی یہ سمجھتی ہے کہ آئین کی دھجیاں اڑا کر ہی نظام ٹھیک ہوسکتا ہے۔ان کا خیال راسخ ہے کہ آئین کو ردی کی ٹوکری میں پھینکنے یا اس کی من پسند تشریح کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ اکثریتی آبادی آئین نہیں ریاست کو بچانے کا نعرہ بھی لگاتی ہے۔اس آبادی کا خیال ہے کہ آئین اہم نہیں ریاست اہم ہے۔اس آبادی کو بغیر آئین کے بھی ریاست چلانے میں کوئی مضحکہ نظر نہیں آتا۔

یہ آبادی کسی ضابطے، دستور یا آئین کو اہم نہیں سمجھتی ہے۔ مگر اس آبادی کی خواہش ہے کہ ہمیں بغیر آئین کے ایک بہترین ملک بنانا ہے۔اس آبادی کو ایک اچھا اور مثالی معاشرہ چاہیے جہاں میرٹ اور عدل وانصاف کا ایک بہترین نظام قائم ہو۔ جہاں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی روایت نہ ہو بلکہ ہر شہری کو ان کا پورا پورا حق مل جائے۔ وہ معاشرہ ایک مثالی معاشرہ ہو جو پرامن اور خوشحال ہو۔مگر اس آبادی کے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہے کہ یہ سارا کام کیا کسی فرد واحد کے حکم سے پایہ تکمیل تک پہنچے گا یا اس ملک کے تمام شہریوں کی منشا اس میں شامل ہوگی؟ اس آبادی کے پاس اس سوال کا بھی کوئی جواب نہیں ہے کہ کیا یہ سارا کام خود بخود طے پائے گا یا اس کے لئے کسی طریقہ کار کو اپنایا جائے گا؟ اس آبادی کے پاس اس سوال کا بھی جواب نہیں ہے کہ اس طریقہ کار کو کیا نام دیا جائے گا؟

اس غیر منطقی خیال کو دل میں بسانے میں اس آبادی کا کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ یہ آبادی ان عام لوگوں پر مشتمل ہے جو اپنی روزمرہ کی زندگی میں کسی نہ کسی شعبہ سے منسلک ہیں۔ جن کا مضمون سیاسیات نہیں ہے۔ان کو امور مملکت یا ریاست سمجھنے سے دلچسپی نہیں ہے۔ان کو وہی سچ نظر لگتا ہے جو کسی تقریر یا اخبار کی خبر میں کثرت سے دہرایا یا بتایا جاتا ہے۔اس آبادی کو تحقیق کرنے اور مسائل کی جڑ تک پہنچنے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

یہ آبادی سنی سنائی باتوں کو علم و دانش سمجھ کر اسی کو دل و دماغ میں بٹھا لیتی ہے۔ یہ آبادی کسی اصول یا نظریے کی بنیاد پر کسی کے حق میں یا خلاف بات نہیں کرتی بلکہ یہ آبادی جذبات کی رو میں بہتی رہتی ہے۔ یہ ایک جذباتی آبادی ہے جس کے علم اور معلومات کا انحصار میڈیا، پریس ریلیز ز، پریس کانفرنسز، من پسند اینکرز، من پسند سیاسی لیڈرز کی تقاریر اور سنی سنائی باتوں پر ہوتا ہے۔ یہ آبادی کسی مستند کتاب، مستند دستاویز، مستند تحقیق، مستند اعداد وشمار اور قانونی دستاویزات کے حوالوں جیسی مشقت سے مبرا ہوتی ہے۔

یہ آبادی اسی بات کو حق و سچ سمجھتی ہے جو اس کی پسندیدہ شخصیت کے منہ سے نکلتی ہے۔ اس لئے یہ آبادی دستور یا آئین کو اہم نہیں سمجھتی بلکہ کسی فرد واحد کو اہم سمجھتی ہے۔اس آبادی کے خیال میں فرد واحد کا دماغ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ کروڑوں دماغوں کے اوپر اپنی منشا مسلط کر سکے۔اس آبادی کی یہ سوچ دراصل صدیوں پرانے غلام و آقا کی سوچ سے مماثلت رکھتی ہے جہاں بادشاہ عقل کل وحق تصور ہوتا تھا جبکہ عوام ان کے آگے ہیچ تھی۔

اس آبادی کی یہ سوچ اس جاگیردارانہ سوچ کی بھی عکاسی کرتی ہے جہاں چوہدری اور وڈیرا کی سوچ مزارعے کی سوچ سے افضل تصور ہوتی ہے۔ یہ اس پدرشاہی نظام کی بھی عکاسی کرتی ہے جہاں ایک فرد کئی افراد کی زندگیوں کے فیصلے کرنے کا مجاز تصور ہوتا ہے۔ یہ صدیوں پرانے اس مذہبی ماحول کی بھی عکاسی کرتی ہے جہاں چرچ کو منجانب خدا فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ یہ سوچ دراصل اس نظام کی بھی حمایت کرتی ہے جہاں مالک غلام سے بہتر عقل وخرد کا مالک سمجھا جاتا تھا ہے۔ یہ سوچ اس وقت کی یاد بھی دلاتی ہے جہاں فرد واحد اپنے قبیلے کا اکلوتا مالک وسردار تصور ہوتا تھا اور اسی کو کلی اختیار تھا کہ وہ جس کے بارے میں جو چاہے فیصلہ صادر کرے۔

صدیوں کے ارتقائی مراحل سے گزرنے کے بعد سماجی علوم کے ماہرین نے حق رائے دہی کا ایک قابل عمل نظام متعارف کرایا۔جس کی بنیاد پر دسا تیر مرتب ہوئے، اسمبلیاں اور حکومتیں تشکیل دینے کا عمل شروع ہوا اور یہ طے ہوا کہ بغیر دستور کے معاشرے تشکیل نہیں پا سکتے اور پھر اسی سوچ کے تحت جدید فلاحی ریاستیں قائم ہوئیں۔ انسانی حقوق کے معیارات طے ہوئے۔ جمہوریت اور آزاد عدالتوں کے تصورات پنپنے لگے۔اس عمل کو آگے بڑھانے میں لاکھوں کروڑوں لوگوں کا علم، محنت، تجربات اور قربانیاں شامل رہیں اور یہ جدید تصورات مزید بہتری کی طرف گامزن ہوئے۔

بدقسمتی سے انسانی علم وترقی کے اس طویل سفر کے ثمرات آج تک ہم تک نہیں پہنچ سکے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں یہ بنیادی تعلیم لوگوں کو دی ہی نہیں گئی۔ ہمارے نصاب میں فرسودہ قصے اور کہانیاں بھری پڑی ہیں مگر جمہوریت، اسمبلیاں، آئین اور اس کے تقدس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ہماری اکثریت آبادی جس میں پڑھے لکھے لوگ بھی شامل ہیں وہ جمہوریت اور دستور کی اہمیت سے ناواقف ہیں۔ بدقسمتی سے یہ ہماری اکثریت آبادی ہے جو وراثت میں ملی ہوئی صدیوں پرانی، فرسودہ اور غیر جمہوری سوچ پر گامزن ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ اس آبادی کو ہر وہ سوچ اچھی لگتی ہے جس پر صدیوں پہلے ان کے آباؤ اجداد کاربند تھے۔ یہ تبدیلی کے خواہاں ضرور ہیں لیکن اس کا طریقہ کار وہی چاہتے ہیں جو صدیوں پہلے رائج تھا۔ ان کو یہ بات سمجھ نہیں آتی ہے کہ شخصیات اہم نہیں ہوتی ہیں بلکہ دستور اور ضابطے اہم ہوتے ہیں۔شخصیات تو فانی ہیں اور دستور اور ضابطے وقت کے ساتھ انسانی تجرباتی اور علم کی روشنی میں نکھارے جاتے اور ان میں انسانوں کی صدیوں کے تجربات اور دانش شامل ہوتی ہے۔

دستور اور ضابطے نسلوں کے کام آتے ہیں۔ یہ قوم اس مصیبت سے نہیں نکل سکتی جب تک اس کو یہ سمجھ نہ ہو کہ ایک شخص کی بجائے بہت سارے دماغ مل کر اچھا فیصلہ کر سکتے ہیں اور عوامی نمائندوں کا بنایا گیا دستور ہی مقدس ہے جس پر عمل پیرا ہوئے بغیر جمہوریت کی گاڑی آگے نہیں چل سکتی۔ اس قوم کو دستور کی اہمیت پڑھانے کی ضرورت ہے۔ ورنہ یہ قوم اسی سوچ کو ہی اچھا سمجھے گی کہ آئین تو کاغذ کا ٹکڑا ہے اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ دستور کے بغیر جدید جمہوریت ریاست کا تصور دیوانے کا خواب ہے۔زہرا نگاہ نے بہت پہلے کہا تھا۔

سنا ہے جنگلوں کا بھی کوئی دستور ہوتا ہے
سنا ہے شیر کا جب پیٹ بھر جائے تو وہ حملہ نہیں کرتا
درختوں کی گھنی چھاؤں میں جا کر لیٹ جاتا ہے
ہوا کے تیز جھونکے جب درختوں کو ہلاتے ہیں
تو مینا اپنے بچے چھوڑ کر
کوے کے انڈوں کو پروں سے تھام لیتی ہے
سنا ہے گھونسلے سے کوئی بچہ گر پڑے تو سارا جنگل جاگ جاتا ہے
سنا ہے جب کسی ندی کے پانی میں
بئیے کے گھونسلے کا گندمی سایا لرزتا ہے
تو ندی کی روپہلی مچھلیاں اس کو پڑوسن مان لیتی ہیں
کبھی طوفان آجائے، کوئی پل ٹوٹ جائے تو
کسی لکڑی کے تختے پر
گلہری، سانپ، بکری اور چیتا ساتھ ہوتے ہیں
سنا ہے جنگلوں کا بھی کوئی دستور ہوتا ہے
خداوند! جلیل ومعتبر! دانا وبینا منصف واکبر!
مرے اس شہر میں اب جنگلوں ہی کا کوئی دستور نافذ کر!

(بشکریہ ہم سب)

میرے گاؤں کے مسائل

سلیم عباس

شہر حافظ آباد اور پنڈی بھٹیاں کے عین بیچ میں متیکی کے نام سے ایک گاؤں ہے جس کی آبادی ہزاروں افراد پر مشتمل ہے۔ آبادی کا اکثریت عورتوں کی ہے۔ دو چھوٹی بستیاں ڈھپر اور چاہ شیخ فرید بھی قانونی اعتبار سے متیکی کا حصہ ہیں۔

گاؤں کی تاریخ سینکڑوں برسوں پر محیط ہے۔ اور سیاسی اعتبار سے بھی یہ گاؤں نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ برطانوی دور میں ذیلداری نظام راج تھا تو پورے علاقے کا ذیلدار اسی گاؤں سے منتخب ہوتا تھا اور برطانوی حکومت نے یہاں پر اپنا ایک دفتر بھی قائم کر رکھا تھا جہاں سے اردگرد کے علاقوں کا نظام حکومت چلایا جاتا اور سرکاری امور پر نظر رکھی جاتی تھی۔ پھر مقامی حکومت کا نظام شروع ہوا تو چیئرمین یونین کونسل اور پھر ممبر ضلع کونسل اور بعدازاں ناظم یونین کونسل کا انتخاب ہمیشہ سے اسی گاؤں سے ہوتا آیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سیاسی مرکز ہونے کے وسیلے یہ علاقے ترقی کے اعتبار سے بھی اپنے آس پاس کے علاقوں کے لیے ایک مثال ثابت ہوتا مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ برطانوی دور سے لے کر آزادی اور پھر اس کے بعد سے آنے والے مقامی نمائندوں اور سیاستدانوں نے اختیارات رکھتے ہوئے بھی گاؤں کی ترقی پر ذرہ برابر توجہ نہیں دی جس کی بدولت یہ گاؤں ہنوز پسماندہ ہے۔

ابھی حالیہ برسوں میں کچھ ترقی، خاص طور پر تعلیٰ کے شعبے میں، دیکھنے کو ملی ہے۔ بچے اور بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ کچھ نوجوانوں نے تعلیم حاصل کر کے تدریس کا شعبہ اپنایا اور یوں علاقے کے بچوں کو تعلیم کا ذریعہ میسر آیا۔ یہ بڑی حوصلہ افزاء پیش رفت ہے۔ مگر اس حوالے سے دو مسئلے ہیں: اوّل، تعلیم میں انسانی حقوق اور انسانیت دوست اقدار کے بارے میں آگاہی نہ ہونے کے برابر ہے جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ نوجوان تعلیم حاصل کرنے کے باجود بھی انسانیت کے بارے میں بنیادی قدروں سے لاعلم ہیں۔ دوئم، تعلیم میں پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا کوئی بندوبست نہیں جس کی بدولت سینکڑوں نوجوان تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے کے باوجود بھی بیروزگار اور بے کار پھر رہے ہیں۔ اور ان میں سے کئی آخر میں مایوس ہو کر منشیات کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ گاؤں کے بنیادی مسائل میں امن عامہ، منشیات کی فروخت و استعمال خاص طور پر نوجوانوں میں، نکاسی آب کے نظآم کی عدم موجودگی، صحت کا ناقص نظام، تعلیمی اداروں میں جسمانی سزا کا بدستور استعمال، پولیس کا ناروا رویہ اور پولیس تشدد، اور لوگوں میں بنیادی حقوق سے آگاہی کا فقدان سرفہرست ہیں۔

میرے خیال میں سب سے پہلے لوگوں کو ان کے حقوق کے متعلق آگاہی دینی ہوگی تاکہ وہ اپنے حقوق کی خلاف ورزی کی صورت میں آواز بلند کر سکیں اور ان کے تحفظ کے لیے قانونی لڑائی لڑ سکیں۔ یہ کام ریاست اور سول سوسائٹی دونوں کی طرف سے ہونا چاہیے۔ گاؤں کے بیشتر نوجوان پڑھے لکھے ہیں اور اگر انہیں بنیادی حقوق کے بارے میں علم دیا جاتا ہے تو وہ اپنے حقوق کے تحفظ و فروغ، اور اپنے علاقے کی ترقی کے لیے انجمنیں بنانے کی سعی کر سکتے ہیں اور یوں ہمارے مسائل میں کمی آنا شروع ہو جائے گی۔ اس مقصد کے لیے ایک قابل عمل اور ٹھوس تجویز یہ ہے کہ علاقے کے لڑکوں اور لڑکیوں کے اسکولوں میں انسانی حقوق کا عالمی منشور اور انسانی حقوق کی دیگر دستاویزات پڑھائی جائیں۔

گاؤں میں صحت کا ایک مرکز قائم ہے جس میں صحت کی کوئی بھی بنیادی سہولت دستیاب نہیں ہے۔ زچہ بچہ کا کوئی بندوبست نہیں جس کی وجہ سے کئی عورتوں دوران حمل اور بچے کی پیدائش کے وقت مختلف مہلک بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں اور کئی مواقع پر موت کا نشانہ بنی ہیں۔ حادثے کی صورت میں ہنگامی صورتحال سے نبٹنے کے لیے کوئی بندوبست نہیں۔ اگر کوئی حادثہ پیش آ جائے تو مریض کو 30 کلومیٹر دور شہر حافظ آباد لے جانا پڑتا اور سڑک کا حال اس حد تک برا ہے کہ 30 کلومیٹر کا فاصلہ کٹنے پہ دو سے زیادہ گھنٹے درکار ہوتے ہیں جس کی بدولت شدید زخمی یا انتہائی بیمار افراد ابتدائی طبی امداد نہ ملنے کی وجہ سے راستے میں ہی دم توڑ دیتے ہیں۔

ابھی حال ہی میں گیس کے کنکشن لگے تو گیس کے میٹر بھی اقربا پروری اور سیاسی بنیادوں پر الاٹ کیے گئے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ گاؤں کی بیشتر تعداد اس سہولت سے بھی محروم ہے۔ نکاسی کا نظام اس حد تک ناقص ہے کہ گاؤں کی نالیوں کا پانی قبرستان میں پڑتا ہے جس سے قبروں کی بے حرمتی ہوتی اور وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ کئی بار بارشوں کے موسم میں نالیوں اور سڑکوں کا پانی لوگوں کے گھروں میں داخل ہو جاتا ہے اور کئی کئی دن سڑکوں پر کھڑا رہتا ہے جو بدبو اور بالآخر کئی بیماریوں کو جنم دینے کے علاوہ راہگیروں کے لیے دوران سفر تکلیف کا سبب بنتا ہے۔

منشیات کی فروخت اور اس کا استعمال بڑے مسائل میں سے ایک ہے۔ لوگوں کو باآسانی منشیات مل جاتی ہے جس کا اثر ہماری نوجوان نسل پر پڑ رہا ہے اور نوجوان بڑی تیزی سے منشیات کے عادی ہو رہے ہیں۔ کم عمر بچوں سے لے کر کئی بزرگوں تک منشیات کا استعمال ہوتا ہے۔ منشیات کے انسداد کے لیے قائم اداروں اور پولیس کو اس جرم کے خلاف کارروائی کرنی چاہیے مگر انہوں نے چپ سادھ رکھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ منشیات فروشوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔

ایک بڑا مسلہ لوگوں کے ساتھ پولیس کا ناروا رویہ، سیاسی بنیادوں پر بے بنیاد مقدمات کا اندراج، اور پولیس تشدد ہے۔ کئی مواقع پر پولیس نے لوگوں کو پکڑ کر تشدد کیا، پولیس غیر قانونی طور پر لوگوں کے گھروں میں داخل ہو جاتی اور یوں چادر اور چار دیواری کا تقدس پامال کرتی ہے۔ سیاسی بنیادوں پر لوگوں پر جھوٹے مقدمے بنائے جاتے اور انہیں ہراساں کیا جاتا ہے۔

کئی مواقع پر دیکھا گیا کہ عمر رسیدہ افراد کے ساتھ ان کے اہل خانہ اچھا سلوک نہیں کرتے، کئی بار ان پر تشدد کا مشاہدہ بھی کیا گیا، کئی کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔ ان کے تحفظ و فلاح و بہبود کے لیے بھی کوئی مؤثر بندوبست نہیں۔

سڑکوں اور گلیوں میں روشنی کا انتظام نہ ہونے سے رات کے وقت چوری و ڈکیتی کے واقعات پیش آ رہے ہیں، لوگوں بشمول نمازیوں کو رات کے وقت سفر کے حوالے سے مشکلات پیش آتی ہیں۔ حکومت کی طرف سے غریب و نادار افراد کے لیے مختص زکواۃ غیر مستحق افراد میں تقسیم ہوتی ہے اس حوالے سے متعلقہ محکموں کو بارہا درخواستیں دی گئیں مگر ان کا نوٹس نہیں لیا گیا۔ صنف کی بنیاد پر عورتوں پر تشدد بھی دیکھنے کو آتا ہے۔ گھریلو تشدد، زبردستی کی شادی، اور برسرروزگار عورتوں کی حوصلہ شکنی کے واقعات بھی پیش آتے رہتے ہیں۔

ان تمام مسائل کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مقامی منتخب نمائندے اور سیاستدانوں نے دیدہ دانستہ اس علاقے کو پسماندہ رکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ غریب لوگوں پر ان کی اجارہ اداری اور تسلط برقرار رہے۔

ہم سب خاص طور پر نوجوانوں کو اس سوچ کی نفی کرنی اور اس کے مقابلے کے لیے متحدہ ہونا ہوگا تب ہی جا کر ہمارے علاقے کی ترقی کے راستے کھلیں گے۔ اور متعلقہ ریاستی اداروں اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کو اس جدّ و جہد میں نوجوان طبقے کا ساتھ دینا ہوگا تاکہ وہ پسماندگی کو برقرار رکھنے کی خواہاں قوتوں کے خلاف پوری توانائی کے ساتھ صف آراء ہو سکیں، صدیوں سے جاری ظلم و ستم کے سلسلے کو روک سکیں اور اپنے عالمی، آئینی و قانونی حقوق سے مستفید ہو سکیں۔

ملازمتوں کو مستقل کرنے اور تنخواہ ادا کرنے کا مطالبہ

نوشکی 3اپریل کو بیسک ایجوکیشن کمیونٹی سکول کے اساتذہ نے اپنی تنخواہوں کی ادائیگی اور مستقلی کے لیے احتجاجی مظاہرہ اور پریس کانفرنس کی۔محترمہ نجمہ یوسف اور محترمہ تنذلہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بیسک ایجوکیشن کمیونٹی سکول کے اساتذہ گزشتہ 18 سالوں سے بلوچستان کے مختلف اضلاع میں خواتین کو زیور تعلیم سے آراستہ کررہے ہیں لیکن 18 سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی انہیں مستقل نہیں کیا جارہا۔کئی اساتذہ عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے دیگر محکموں میں ملازمت نہیں کرسکتیں۔سندھ حکومت نے اپنے بیسک ایجوکیشن کمیونٹی سکول کے اساتذہ کو مستقل کردیا ہے۔ہائی کورٹ نے استاتذہ کو مستقل کرنے کے احکامات جاری کیے ہیں لیکن ہنوز ان احکامات پر عمل نہیں کیا جارہا۔اساتذہ کو ماہانہ 8000 ہزار روپے قلیل تنخواہ دی جاتی ہے۔گزشتہ 10 ماہ سے تنخواہوں کی عدم ادائیگی کی وجہ اساتذہ معاشی مشکلات سے دوچار ہیں۔بلوچستان میں 515 اور نوشکی ڈسٹرکٹ میں 33 اساتذہ نامساعد حالات اور انتہائی قلیل تنخواہ میں اپنے فرائض منصبی سرانجام دے رہے ہیں۔مظاہرین نے کہا کہ اگر انہیں مستقل نہ کیا گیا اور ان کی تنخواہوں کی فوری طور ادائیگی عمل میں نہیں لائی گئی تو وہ آر سی ڈی شاہراہ پر احتجاج اور ضلعی دفاتر کا گھیراؤ کرنے پر مجبور ہونگے۔وزیراعلیٰ بلوچستان، وزیر تعلیم بلوچستان اور دیگر اعلیٰ حکام ان کے ساتھ ہونے والے ظلم اور ناانصافی کا فوری نوٹس لیں۔

(محمد سعید بلوچ)

گیس سروس کی دستیابی کا مطالبہ

نوشکی نوشکی کلی قادرآباد کے باشندوں نے چار سال قبل گیس کنکشن کے حصول کے لیے گیس کنکشن فیس بنیک میں جمع کرائی ہے لیکن چار سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی ہنوز صارفین کو گیس کنکشن میٹر کی فراہمی عمل میں نہیں لائی جارہی جس سے متعلقہ ادارے کی کارکردگی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔گیس کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے حلقہ کے باشندوں کو انتہائی مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔کلی قادرآباد کے باشندوں نے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا ہے حلقہ کہ مکینوں کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے جن صارفین نے گیس کنکشن اور میٹر کے لیے رقم جمع کرائی ہے انھیں فوری طور پر گیس کنکشن کی فراہمی عمل میں لانے کے احکامات جاری کریں۔

(محمد سعید بلوچ)

فیسوں میں اضافے کے خلاف احتجاج

حیدرآباد گورنمنٹ سیکنڈری اسکول ٹیچرز ایسوسی ایشن (گسٹا) حیدرآباد اور مختلف سماجی تنظیموں نے تعلیمی بورڈ حیدرآباد کی جانب سے سرکاری اسکولوں کے طلباء سے امتحانی فیس کی وصولی کے خلاف گورنمنٹ نیول رائے ہیرانند ہائی اسکول سے گول بلڈنگ سے احتجاجی ریلی نکالی اور پریس کلب کے سامنے مظاہرہ کیا۔اس موقع پر گسٹا کے رہنماؤں نے اپنے خطاب کے دوران تعلیمی بورڈ کی جانب سے فیس وصولی کے ظالمانہ فیصلے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ سال 2017ء سے حکومت سندھ نے سرکاری اسکولوں کے طلباء کو ٹیوشن اور امتحانی فیسوں سے استثنیٰ دیا ہے اور اس مثبت اقدام کی وجہ سے غریب طلباء و طالبات کی بڑی تعداد سرکاری اسکولوں میں تعلیم کے زیور سے آراستہ ہورہی تھی لیکن اچانک تعلیمی بورڈ حیدرآباد نے مہنگائی کے اس دور میں بھی طلباء پر بھاری فیسیں لاگو کرکے غریب والدین کے بچوں پر تعلیم کے دروازے بند کرنے کی مذموم سازش کی ہے اور تعلیمی بورڈ حیدرآباد کا یہ اقدام 'حکومت کے تعلیم سب کے لئے' کے فیصلے کی نفی ہے۔مقررین نے حکومت سندھ سے تعلیمی بورڈ حیدرآباد کے لئے فنڈز جاری کرنے کا بھی مطالبہ کیا تاکہ تعلیمی عمل احسن انداز سے مکمل ہوسکے۔رہنماؤں نے اس خدشے کا بھی اظہار کیا کہ اگر اس معاملے کا سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا گیا تو پھر سندھ میں پرامن تعلیمی عمل شدید متاثر ہوسکتا ہے۔رہنماؤں نے وزیراعلیٰ سندھ سے مزید مطالبہ کیا کہ اساتذہ کے دیرینہ مسائل بھی فوری طور پر حل کئے جائیں۔ (لالہ عبدالحلیم)

ترقی کے وعدوں پر عمل درآمد کیا جائے

نوشکی بلوچستان میں ترقی اور خوشحالی کے بلند بانگ دعوے کرتے ہوئے حکمران تھکتے نہیں لیکن صوبائی دارالحکومت کوئٹہ میں سریاب روڈ کے تین کلومیٹر میٹرو توسیعی منصوبے پر گزشتہ 14 ماہ سے کام ہورہا ہے 14 ماہ کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی منصوبہ تشنہ تکمیل ہے۔گرد اور مٹی اڑنے کی وجہ سے سریاب کے باشندے پریشان اور مختلف امراض کا شکار ہورہے ہیں۔ہزاروں متاثرین بیروزگاری سے دوچار ہیں اگر کام کی رفتار اسی طرح رہی تو اس پروجیکٹ کی تکمیل کیلئے 5 سال مزید انتظار کرنا ہوگا اس سلسلے سریاب کے باشندوں کی بے حسی قابل ذکر ہے۔دیگر صوبوں کے عوام فلاحی منصوبوں میں تاخیر پر احتجاج اور قانونی چارہ جوئی کا حق استعمال کرتے ہیں۔ لاہور میں 27 کلومیٹر میٹرو سڑک 9 ماہ میں مکمل ہوسکتی ہے۔ بلوچستان میں فلاحی منصوبوں کے تاخیر کے ذمہ دار کون ہے؟ بلوچستان بھر میں ترقیاتی منصوبوں میں سالوں کیوں لگتے ہیں؟ سریاب کے عوام کی مشکلات ومصائب کو مدنظر رکھتے ہوئے منصوبے کی تکمیل ہنگامی بنیادوں پر مکمل کی جائے۔منصوبے میں تاخیر کی وجہ سے جہاں عوام کو مشکلات اور مختلف مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے مہنگائی کی وجہ سے میٹریل مزدروں کے اجرت میں اضافے کے باعث منصوبے کی لاگت میں اضافے سے قومی دولت کا ضیاع بھی ہوتا ہے۔ ہماری ناقص منصوبہ بندی اور عدم توجہی کے باعث سالانہ اربوں روپے لیپس ہوجاتے ہیں جو قدرتی وسائل سے مالا مال خطہ بلوچستان کے عوام کے ساتھ ظلم ناانصافی اور زیادتی کے مترادف ہے سریاب روڑ بلوچستان کی تین اہم شاہراہوں کو ملانے کا اعزاز رکھتی ہے۔کوئٹہ تفتان شاہراہِ کوئٹ کراچی شاہراہِ اور کوئٹہ سکھر شاہراہِ سریاب روڈ سے گزرتی ہے۔

سریاب روڈ کے توسیعی منصوبے میں تاخیر سے سریاب ہزاروں باشندے اور دکاندار مصائب ومشکلات سے دوچار ہیں اس بین الاقوامی شاہراہِ پر سفر کرنے والے مسافروں اور ٹرانسپورٹر کو مشکلات اور وقت کے ضیاع سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ صوبائی دارالحکومت کوئٹہ میں ترقیاتی منصوبے سفید ہاتھی کی شکل اختیار کرگئے تو اندرون بلوچستان ترقیاتی منصوبوں میں تاخیر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔نوشکی میں گزشتہ 10 سالوں سے 50 بستروں پر مشتمل ہسپتال کی عمارت زرعی سکوائر مارکیٹ کا منصوبہ، حصار ڈیم کی تعمیر، سپورٹس کمپلیکس کی تعمیر، سپورٹس آفیسر کلب کے ہال کی تعمیر اور آر سی ڈی شاہراہِ بائی کے منصوبوں پر کام بند ہے اور اب موجودہ مالی سال میں دو ماہ کا قلیل عرصہ رہتا ہے۔وزیراعلیٰ بلوچستان سے سریاب کے توسیعی منصوبے سمیت نوشکی اور بلوچستان میں تمام ترقیاتی منصوبوں کی بروقت تکمیل میں تاخیر کا نوٹس لیتے ہوئے تاخیر کے ذمہ داران کے خلاف ایکشن لے کر ترقیاتی منصوبوں کے تکمیل کے لیے اقدامات کریں تاکہ ترقیاتی منصوبوں کے تکمیل سے عوام مستفید ہوسکے۔

(محمد سعید بلوچ)

سکول کے طالبعلم خیمے سے کب باہر نکلیں گے؟

پشاور " گاؤں میں ٹرانسپورٹ کی سہولت موجود نہیں ہے، سکول دور ہونے کی وجہ سے میں نے پڑھنا چھوڑ دیا، اب زیادہ تر موبائل استعمال کرتا ہوں، کرکٹ یا فٹبال بھی کھیلتا ہوں اور مزدوری بھی کرتا ہوں۔'' یہ کہنا تھا سب ڈویژن پشاور کے علاقے بوڑہ سے تعلق رکھنے والے لطیف الرحمٰن کا جو گورنمنٹ ہائی اسکول بوڑہ میں آٹھویں کلاس کا طالب علم تھا۔ "میرے جیسے دیگر طلبہ کیلئے بھی سکول دور ہونے کی وجہ سے تعلیم کا حصول مشکل بن گیا ہے، بہتر تعلیمی نظام نہ ہونے سے علاقے کے بچوں کا غلط سرگرمیوں کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے، ہمارے مستقبل کو خطرہ ہے لیکن کسی کو بھی ہماری فکر نہیں ہے"۔ واضح رہے کہ بوڑہ میں پہلے اسکول کا قیام 1964ء میں عمل میں لایا گیا۔ اس وقت اسکول پرائمری تھا، 1980 میں اسے ہائی سکول کا درجہ دیا گیا جو علاقہ کا واحد ہائی اسکول تھا۔ 2010 میں شورش کی لہر کے دوران اس سکول کو بم سے اڑا دیا گیا جو ایک سال تک بند رہا۔ امن قائم ہونے کے بعد یہاں 7 سال تک خیموں میں طلبہ نے تعلیم کا حصول جاری رکھا۔ 2019 میں یو ایس ایڈ کی طرف سے امداد کے بعد اسکول کی بحالی پر کام شروع ہوا جس کی وجہ سے اسکول کے بچوں کو پرائمری سکول نمبر 3 میں، نمبر 3 کے بچوں کو 4 نمبر اسکول میں جبکہ نمبر 4 کے بچوں کو پرائمری سکول نمبر 5 میں شفٹ کر دیا گیا۔ یوں محکمہ تعلیم کے افسران کی عدم توجہی کی وجہ سے اسکول کی بروقت بحالی نہ ہونے سے علاقے کے 4 اسکولوں کے بچوں کو در بدر کر دیا گیا، ان کی پڑھائی کافی متاثر ہوئی۔ بوڑہ ہائی اسکول کے پرنسپل عبدالوحید کا اس حوالے سے کہنا تھا کہ اسکول کی مرمت میں تاخیر اور بچوں کی شفٹنگ کی وجہ سے طلبہ کیلئے فاصلہ زیادہ ہو گیا ہے، طلبہ اکثر سکول میں غیر حاضر رہتے ہیں، بچوں کے بیٹھنے کیلئے ڈیسک نہیں ہیں، چھوٹے بچے اپنے ساتھ بوریاں لاکر ان پر بیٹھتے ہیں جبکہ ہائی اسکول کے بچوں کیلئے بھی بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے ان کیلئے خیمہ لگوایا ہے جہاں بچے سردی گرمی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ پرنسپل عبدالوحید کے مطابق سکول میں بچوں کے ساتھ ساتھ ٹیچرز کیلئے بھی مشکلات ہیں، یہاں ٹیچرز کیلئے کوئی الگ اسٹاف روم نہیں ہے، آفس نہیں ہے، ایک کمرے کو اسٹاف روم بھی اور کچن بھی بنایا ہے، یہاں اساتذہ کیلئے نہ تو ٹیبل ہے اور نہ ہی کرسیاں، ٹیچرز کئی بار حکام بالا سے شکایات بھی کر چکے ہیں لیکن افسوس کا مقام ہے کہ کسی کو ٹیچرز کے مسائل اور بچوں کے مستقبل کی پرواہ نہیں ہے۔ سب ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں، سمجھ نہیں آ رہی کہ مسائل کا ذمہ دار کون ہے؟ حسن خیل سب ڈویژن کے ڈی ای او خالد محمود نے بتایا کہ اسکول کی تعمیر یو۔ ایس ایڈ کروا رہا ہے، تعمیر میں تاخیر کی اصل وجہ ٹھیکیدار کے پاس بحالی کیلئے فنڈز کی عدم موجودگی ہے، ادارے اور ٹھیکیدار کے مابین بات چیت چل رہی ہے، ڈی سی پشاور اور اے سی حسن خیل سے بوڑہ ہائی اسکول سمیت ایف آر پشاور کے دیگر سکولوں کی تعمیر کے حوالے سے ملاقات کر چکے ہیں، امید ہے کہ جلد ہی سکولوں پر کام شروع ہوگا۔ دوسری جانب علاقہ مکینوں نے محکمہ تعلیم پر لاپرواہی کا الزام عائد کیا اور کہا کہ بدقسمتی سے محکمہ تعلیم خواب غفلت میں سویا ہوا ہے اور انہیں ہمارے بچوں کے مستقبل کی کوئی فکر نہیں ہے، علاقے میں متعدد اسکولوں کی عمارتیں کھنڈرات بن چکی ہیں، ان میں ہمارے بچے زیر تعلیم ہیں، اسکول کی عمارت نہ ہونے کے باعث کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ایسی صورتحال میں وہ اپنی تعلیم کو باقاعدگی کے ساتھ جاری نہیں رکھ سکتے۔ ان کا کہنا تھا کہ محکمہ کی جانب سے اسکولوں کے لیے بہت سے فنڈ آتے ہیں لیکن ان کا صحیح استعمال نہیں کیا جاتا، یہی وجہ ہے کہ علاقے میں تعلیمی نظام بہتر نہ ہو سکا، یہ ایک سنگین مسئلہ بن گیا ہے،'' اگر مزید لاپرواہی کی گئی تو ہمارے بچوں کا مستقبل تاریک ہو سکتا ہے۔"

(مسعود شاہ)

ویکسی نیٹرز 9 ماہ کی تنخواہیں نہ ملنے پر سراپا احتجاج

حیدرآباد محکمہ صحت حیدرآباد میں کورونا وائرس کی وباء کے دوران ڈیلی ویجز پر بھرتی ہونے والے مرد و خواتین ویکسی نیٹرز نے 9 ماہ سے تنخواہیں نہ ملنے کیخلاف ڈائریکٹر جنرل ہیلتھ سندھ آفس کے سامنے احتجاج کیا اور بعد ازاں ریلی کی صورت میں حیدرآباد پریس کلب پہنچے جہاں اویس بھٹی، گل محمد ڈیتھو، اور منظور احمد کی قیادت احتجاجی مظاہرہ کر کے دھرنا دیا گیا۔ اس موقع پر مذکورہ رہنماؤں نے کہا کہ ہمیں کرونا وباء کے دوران ڈیلی ویجز پر بھرتی کیا گیا تھا اور تنخواہیں بھی مل رہی تھیں لیکن گزشتہ نو مہینے سے ہماری تنخواہیں بلا جواز بند کر دی گئی ہیں جس کی وجہ سے ہمارے گھروں میں فاقہ کشی کی صورتحال ہے جبکہ ہمارے ساتھ بھرتی کئے گئے ڈاکٹرز کو باقاعدگی سے تنخواہیں مل رہی ہیں جو ہمارے ساتھ ناانصافی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم پہلے ہی مہنگائی کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ انہوں نے وزیر اعلیٰ سندھ اور وزیر صحت سندھ سمیت پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت ہمیں نو 9، کی تنخواہیں دلا کر فاقہ کشی سے بچائیں۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

غیرت' کے نام پر جواں سالہ لڑکی قتل

ٹوبہ ٹیک سنگھ تھانہ سٹی کی حدود میں عنایت مسیح ولد مہنگا سکنہ 295 گ ب کرسچن کالونی نے اپنی بیٹی عارفہ دختر عنایت مسیح بعمر 24/25 سال کو 'بدچلنی' کے شبہہ پر 'غیرت' کے نام پر کلہاڑی کے وار کر کے قتل کر دیا۔ کلہاڑی کے وار عارفہ کی گردن اور سر پر لگے جس سے وہ شدید زخمی ہوگئی، جس کو بذریعہ ریسکیو 1122 ڈی ایچ کیو ٹوبہ منتقل کیا گیا جو زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہلاک ہوگئی۔ ملزم کو گرفتار کر لیا گیا۔

(اعجاز اقبال)

سکول کے بچے غیر محفوظ

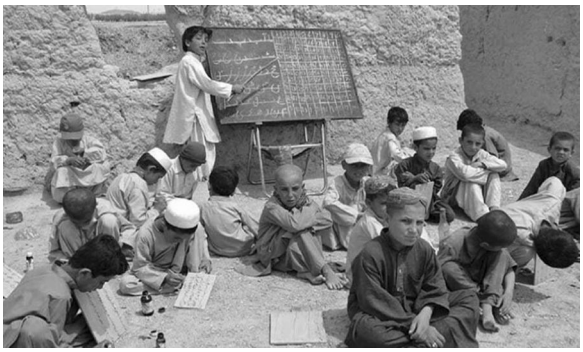

نوشکی 6اپریل کواحمدوال کے رہائشی، جماعت ہفتم کے طالب علم 13 سالہ حسنین ظفر سکول سے چھٹی کے بعد جمال آباد لنک روڈ پر گاڑی کے انتظار میں کھڑے تھے۔کلی غریب آباد نوشکی کے 22 سالہ نوجوان نصیر احمد نے لفٹ دی۔ تین کلومیٹر جانے کے بعد موٹر سائیکل سوار نے موٹر سائیکل کچے راستے پر ڈال دیا اور کہا' مجھے کسی سے کام ہے' بچہ پریشان ہوگیا۔ دوکلومیٹر جانے کے بعد طالب علم نے اپنا بیگ نیچے گرادیا۔ موٹر سائیکل سوار نے موٹر سائیکل روک دیا۔ بچے نے کہا' میرا بیگ گر گیا ہے۔' نصیر احمد نے کہا' تم ادھر بیٹھو میں تمہارا بیگ لاتا ہوں' جب وہ بیگ لانے گیا تو بچے نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قریبی پہاڑی علاقے میں خود کو چھپالیا۔ موٹر سائیکل سوار نے کافی تلاش کیا لیکن کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ایک گھنٹے بعد طالب علم 5 کلومیٹر پیدل چل کر نوشکی شہر آیا اور اس واقعے کی اطلاع اپنے رشتے داروں کو دی۔

طالب علم کے رشتے داروں کے مطابق پولیس نے ایف آئی آر درج نہیں کی۔ طالب علم کے رشتے داروں نے کلی غریب آباد نصیر احمد کے گھر جا کر رشتے داروں کو اس مسئلہ سے متعلق بتایا۔ پولیس کی موجودگی میں دونوں فریقین میں ہاتھا پائی بھی ہوئی۔ پولیس اہلکار نے بتایا مذکورہ فریق پولیس تھانہ آئے تھے لیکن ہمارے کہنے کے باوجود بھی انھوں نے ایف آئی آر درج نہیں کرائی۔ 10 اپریل کو ایف آئی آر درج نہ کرنے کے خلاف احمدوال کلی سیدان میں ایک جرگہ منعقد ہوا جس میں احمدوال ایکشن کمیٹی کے چیئرمین عامر وحید سالانی اور قبائلی عمائدین نے شرکت کی۔ اس واقعے کی مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا اسے ناخوشگوار واقعات کے روک تھام کے لیے کمیونٹی کے ہر فرد کو اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر پولیس نے ایف آئی آر درج نہیں کی تو ہم دھرنا دیں گے اور آر سی ڈی شاہراہ بلاک کرینگے۔ 12 اپریل کو اس واقعے کے خلاف احمدوال ایکشن کمیٹی اور النور پبلک سکول کے طلبہ طالبات اساتذہ اور سماجی حلقوں نے النور پبلک سکول احمدوال سے لیویز تھانہ احمدوال تک ریلی نکالی اور احتجاجی مظاہرہ سے وحید عامر فقیر محمد آور عبدالکریم نے خطاب کرتے ہوئے کہا اس گھناونی واقع سے سکول کے بچوں میں خوف ہراس پیدا ہوا ہے۔ اس واقعہ میں ملوث ملزم اور اس کے گروہ کے گرفتاری عمل میں لاکر ملزمان کو عبرت کا نشان بنائے تاکہ آئندہ کوئی ایسی حرکت کی جرات نہ کر سکے۔ انہوں نے مطالبہ احمدوال کے طلباء اور طالبات کو نوشکی میں تعلیم کے حصول کے لیے طلباء اور طالبات کو پک اینڈ ڈراپ کی سہولت دی جائے۔ 13 اپریل کو ایکشن کمیٹی کے ممبران نے ڈپٹی کمشنر اور ایس پی نوشکی سے ملاقات کی اور انھیں صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا اگر ملزم کے خلاف ایف آئی آر درج نہیں کی گئی تو ہم 14 اپریل کو بٹو کے قریب ارسی ڈی شاہراہ بلاک کر دینگے۔ ایس پی نوشکی کی ہدایت کی روشنی میں 13 اپریل ملزم کے خلاف ایف آئی آر درج کی گئی جس کی وجہ سے ایکشن کمیٹی نے ہڑتال کی کال واپس لے لی۔ نوشکی کے تمام سیاسی جماعتوں سماجی تنظیموں عوامی حلقوں اور کمیونٹی نے اس واقعے کی مذمت کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا ملزم اور گروہ میں ملوث افراد کو گرفتار کر کے سزائیں دی جائیں۔

(محمد سعید بلوچ)

نوجوان کی لاش برآمد

نوشہرو فیروز نصرت کینال پڈعیدن میں نامعلوم نوجوان کی تیرتی ہوئی لاش برآمد، علاقہ مکینوں نے اپنی مدد آپ کے تحت لاش باہر نکالی۔ لاش ضروری کاروائی کے بعد امانتاً ایدھی کے حوالے کردی گئی۔ تفصیلات کے مطابق نواحی علاقہ پڈعیدن نصرت کینال ریگیولیٹر کے مقام پر پولیس چوکی کے قریب نصرت کینال میں بہتی ہوئی لاش دیکھ کر لوگوں نے پولیس کو اطلاع دی، اطلاع پر شہریوں کی بڑی تعداد نہر کے کنارے پہنچ گئی، مقامی لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت لاش کو نہر سے نکالا۔ واقعہ کی اطلاع پر پولیس نے پہنچ کر لاش کو ضروری کاروائی کے لئے، ایمبولینس نہ ملنے پر لوڈر رکشہ میں رکھ کر پڈعیدن اسپتال منتقل کردیا۔ رابطہ کرنے پر ایس ایچ او منیر احمد لغاری نے بتایا کہ لاش کی شناخت نہیں ہوسکی۔ لاش نصرت کینال میں سکھر کی طرف سے بہتی ہوا آئی تھی ضروری کاروائی کے بعد لاش امانت کے طور پر ایدھی کے حوالے کردی گئی ہے۔

(الطاف حسین قاسمی)

نوکنڈی میں پرامن مظاہرین پر فائرنگ انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے

چاغی بلوچ یکجہتی کمیٹی نے ضلع چاغی کے علاقے نوکنڈی میں سیکورٹی فورسز کی جانب سے پُرامن مظاہرین پر فائرنگ کے واقعے پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں بلوچستان میں انسانی حقوق کی پامالیوں میں شدت کے ساتھ اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ بلوچستان میں سیکورٹی فورسز کو طاقت کے استعمال کا ہر طرح کا اختیار دیا گیا ہے جس کے سبب آئے روز جبری گمشدگیاں، ٹارگٹ کلنگ، عوام کی تذلیل اور قتل عام کے واقعات میں شدت پیدا ہوتی جارہی ہے۔ نوکنڈی واقعہ بلوچستان میں طاقت کے استعمال کی بدترین مثال ہے۔ ترجمان نے کہا کہ گزشتہ دنوں سیکورٹی فورسز نے راہ چلتے ہوئے بلوچ مزدور حمداللہ کو ضلع چاغی میں فائرنگ کا نشانہ بنا کر قتل کیا، جس کے بعد عوام نے نوکنڈی میں موجود سیکورٹی فورسز کے کیمپ کے سامنے احتجاج شروع کیا۔

پُرامن احتجاج کے ردعمل میں سیکورٹی فورسز نے نہتے مظاہرین پر فائرنگ کی جس کے سبب اطلاعات کے مطابق اب تک ایک مظاہرین شہید اور 8 زخمی ہو چکے ہیں۔ جبکہ سرحدی علاقے میں محنت مزدوری کرنے والے لگ بھگ 200 بلوچ ڈرائیورز کی گاڑیوں کو پکڑ کرنا کارہ کردیا اور ڈرائیورز کو شدید پیاس اور گرمی میں چھوڑ دیا گیا، اب تک کے اطلاعات کے مطابق 3 مزدور بھوک اور پیاس سے شہید ہو چکے ہیں جبکہ باقیوں کی زندگیوں کو شدید خطرات لاحق ہے۔ بلوچستان میں اس طرح کے سنگین مظالم تسلسل کے ساتھ ہوتے ہورہے ہیں۔ لیکن بلوچستان میں ہونے والی سنگین انسانی حقوق کی پامالیوں پر نہ انسانی حقوق کی تنظیمیں اور عدلیہ نوٹس لیتے ہیں اور نہ میڈیا ان پر بات کرتا ہے۔ اسی لیے بلوچستان میں سیکورٹی فورسز بغیر کسی روک ٹوک کے اپنے طاقت کا بے تحاشہ استعمال کررہے ہیں۔ ترجمان نے کہا کہ بلوچستان کے حالات دن بدن مزید گھمبیر ہوتے جارہے ہیں اور ایسی نوعیت کے واقعات سامنے آرہے ہیں۔ عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ نوکنڈی واقعے کے خلاف بھرپور سیاسی مزاحمت کریں، جب تک ہم بطور قوم متحد ہوکر جدوجہد نہیں کرینگے ہمیں ایسی ہی صورت حال کا سامنا ہوگا۔

(بلوچ یکجہتی کمیٹی)

طالبات کو ہراساں کرنے پر پروفیسر برطرف

حیدرآباد سندھ یونیورسٹی کی خاتون ڈائریکٹر کی شکایت پر 3 طالبات کو ہراساں کرنے کے معاملے پر محتسب اعلیٰ سندھ نے انسٹیٹیوٹ آف پلانٹ سائنس کے پروفیسر کو نوکری سے برطرف کردیا، جبکہ 3 لاکھ روپے جرمانہ بھی عائد کیا گیا، تفصیلات کے مطابق سندھ یونیورسٹی جامشورو کے انسٹیٹیوٹ آف پلانٹ سائنس کی ڈائریکٹر ڈاکٹر رابیہ اسمہ میمن کی شکایت پر محتسب اعلیٰ سندھ جسٹس ریٹائرڈ شاہنواز طارق نے فیصلہ دیتے ہوئے ڈپارٹمنٹ کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالجبار پیرزادہ کو نوکری سے برطرف کرتے ہوئے 3 لاکھ روپے جرمانہ عائد کردیا، جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں پروفیسر کی زمین نیلام کر کے رقم وصول کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، واضح رہے کہ 2 سال قبل ڈپارٹمنٹ کی طالبہ کائنات، انم، اور عریشہ نے ڈائریکٹر کو تحریری شکایت ارسال کی تھی جس پر انکوائری کے بعد مذکورہ پروفیسر پر طالبات کو ہراساں کیے جانا ثابت ہونے پر مذکورہ کیس محتسب اعلیٰ سندھ کو بھیج دیا گیا تھا جس کا فیصلہ دیا گیا ہے۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

دنیا میں انسانی بحران سے غیر مساوی انداز میں نمٹنے پر سربراہ ڈبلیو ایچ او کا اظہار افسوس

اسلام آباد عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کے سربراہ نے کہا ہے کہ دنیا انسانی بحران کو غیر مساوی طور پر دیکھ رہی ہے اور تمام تر توجہ یوکرین پر مرکوز کی جارہی ہے۔ڈان اخبار میں شائع کردہ غیر ملکی خبر رساں ادارے 'اے ایف پی' کی رپورٹ کے مطابق عالمی ادارہ صحت کے ڈائریکٹر جنرل ٹیڈروس ایڈہانوم کا کہنا تھا کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی ہنگامی حالات ہیں جنہیں سنجیدہ نہیں لیا جارہا ہے اور امید ہے کہ بین الاقوامی برادری اپنے احساس پر نظر ثانی کرے گی۔ایک نیوز کانفرنس میں ان کا کہنا تھا کہ 'مجھے نہیں معلوم کہ دنیا اس حالات پر حقیقی توجہ دے رہی ہے یا نہیں، یوکرین پر تمام تر توجہ مرکوز کرنا یقیناً ضروری ہے کیونکہ اس کے اثرات پوری دنیا پر مرتب ہوں گے'۔انہوں نے کہا کہ 'ٹیگرے، یمن، افغانستان، شام اور دنیا کے دیگر حصوں پر توجہ نہیں دی جارہی ہے'۔سربراہ ڈبلیو ایچ او نے کہا کہ 'میں بہت واضح اور ایمانداری سے کہنا چاہوں گا کہ دنیا انسانیت کی دوڑ میں سب پر یکساں توجہ نہیں دے رہی ہے، کچھ دوسروں سے زیادہ توجہ حاصل کررہے ہیں، پھر اس پر میں کہوں گا کہ یہ میرے لیے باعث تکلیف ہے کیونکہ میں نے یہ سب دیکھا ہے اور اسے قبول کرنا مشکل ہے'۔ٹیڈروس ایڈہانوم کا تعلق ٹیگرے سے ہے، ان کا کہنا تھا کہ اقوام متحدہ نے طے کیا ہے کہ انسانی زندگی بچانے والے آلات کے 100 ٹرکس یومیہ ایتھوپیا کے محصور علاقے میں بھیجے جائیں۔ملک کے سابق وزیر صحت اور وزیر خارجہ نے کہا کہ جنگ بندی کے اعلان کے بعد ملک میں کم از کم 2 ہزار ٹرکس بھیجے جانے چاہیے تھے، لیکن اب تک صرف 20 ٹرکس بھیجے گئے ہیں۔انہوں نے کہا کہ وہ اس بات پر پریشان ہے کہ ادیس ابابا میں 20 ٹرکس کا جانا حکومت کی کسی 'سفارتی چال' کا حصہ ہوسکتا ہے جبکہ ایتھوپیا اور ایریٹیا کی افواج کی جانب سے محاصرہ بھی جاری ہے۔ان کا کہنا تھا کہ انسانی بحران ٹالنے اور ہزاروں، لاکھوں افراد کو بحران سے بچانے کے لیے ہمیں انسانیت تک آزادانہ رسائی کرنے کی ضرورت ہے۔عالمی ادارہ صحت کے سربراہ نے کہا کہ اس طرح کا انسانی بحران عالمی توجہ کا مرکز نہیں ہے۔ان کا کہنا تھا کہ مجھے امید ہے کہ دنیا اپنے حواس میں واپس آئے اور تمام انسانوں کا یکساں نظریے سے دیکھے۔انہوں نے کہا کہ ایتھوپیا میں جو کچھ بھی ہورہا ہے یہ المناک حالات ہیں، وہاں نسل پرستی کے نام پر لوگوں کو زندہ جلایا جارہا ہے، جبکہ انہوں نے کوئی جرم بھی نہیں کیا، تو ہمیں حالات کو متوازن کرنے کی ضرورت ہے۔ٹیڈروس ایڈہانوم نے کہا کہ ہمیں ہر زندگی کو سنجیدہ لینے کی ضرورت ہے کیونکہ ہر زندگی قیمتی ہے۔ (روزنامہ ڈان)

خواجہ سراؤں کے خلاف تشدد کے واقعات، 4 ہلاک

پشاور خیبر پختونخوا میں خواجہ سراؤں پر تشدد اور ہلاکتوں کے حالیہ واقعات کے بعد صوبے میں خواجہ سرا برادری میں عدم تحفظ کا احساس بڑھ رہا ہے۔خواجہ سرا برادری کے حقوق کے لیے سرگرم کارکنوں کا کہنا ہے عدم تحفظ کے اس ماحول میں کئی ایک خواجہ سرا بیرونِ ملک منتقل ہونے کی کوشش کررہے ہیں۔خوجہ سراؤں کی مقامی تنظیم 'بلیو ویینز' نے برادری کے افراد کے قتل اور تشدد کے واقعات پر تشویش کا اظہار کیا ہے اور حکام سے امتیازی سماجی رویوں کو ختم کرنے کے لیے موثر اقدامات اٹھانے کا مطالبہ کیا ہے۔ان مطالبات کے باوجود خواجہ سرا افراد کے خلاف تشدد کے مہلک واقعات کسی طور کم نہیں ہورہے۔بلیو ویینز کے اعداد و شمار کے مطابق 2015 سے اب تک صرف خیبر پختونخوا میں تشدد کے واقعات میں 85 خواجہ سرا ہلاک اور دو ہزار سے زائد زخمی ہوئے۔تنظیم کا کہنا ہے کہ زیادہ تر واقعات میں خواجہ سراؤں کو موسیقی کی تقریبات میں شرکت سے انکار کرنے کی وجہ سے قتل کیا گیا۔خواجہ سرا برداری کی سرگرم کارکن میڈم آرزو خان کہتی ہیں گزشتہ دس روز کے دوران پشاور، مردان اور مانسہرہ میں چار خواجہ سرا ہلاک جب کہ سات زخمی ہوئے لیکن ملزمان کے خلاف مقدمات درج ہونے کے باوجود انہیں گرفتار نہیں کیا گیا۔آرزو نے وائس آف امریکہ سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ان کی برداری کے خلاف تشدد کے واقعات کے خلاف حال ہی میں پشاور میں ایک احتجاجی مظاہرہ بھی کیا۔ڈاکٹر جمیل کے مطابق خواجہ سرا افراد کے خلاف تشدد بعض واقعات میں ان کی دوستیوں اور تعلقات میں اختلافات کی وجہ سے بھی سامنے آتے ہیں۔خواجہ سراؤں کے تحفظ کے لیے کام کرنے والی ایک مقامی تنظیم سے منسلک تیمور کمال کہتے ہیں خواجہ سراؤں پر ہونے والے پر تشدد واقعات میں ملوث ملزمان کے خلاف مقدمات انتہائی ناقص بنائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس قسم کے واقعات میں زیادہ تر ملزمان سزا سے بچ جاتے ہیں۔خیبر پختونخوا پولیس کا دعویٰ ہے کہ خواجہ سرا افراد کے خلاف پیش آنے والے حالیہ واقعات میں ملوث اکثر افراد کو گرفتار کرلیا گیا ہے اور ان کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی جاری ہے۔پشاور کے سینئر پولیس عہدیدار ہارون الرشید نے ایک بیان میں کہا ہے کہ تھانہ چمکنی کی حدود میں ایک خواجہ سرا کے اغوا میں مبینہ طور پر ملوث پانچ افراد کو گرفتار کیا گیا ہے جب کہ مانسہرہ پولیس نے بھی خواجہ سرا افراد کے خلاف تشدد کے واقعے میں ملوث ملزمان کو گرفتار کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔صوبہ خیبر پختونخوا کی پولیس کا کہنا ہے کہ خواجہ سرا افراد کے خلاف تشدد کے واقعات میں ملوث تمام ملزمان کو جلد گرفتار کرلیا جائے۔ (نامہ نگار)

گھر پر حملے کا مقدمہ درج

عمرکوٹ مارچ کو تحصیل کنری کے علاقے بسٹاں کے قریب گوٹھ عبدالرحمان بھٹی میں موٹر سائیکل سوار نوجوان کی طرف سے آٹھ سالہ لڑکی ممتا بنت بھوجراج میگھواڑ کو ٹکر مار کر زخمی کردیا۔ورثاء نے متاثرہ لڑکی کو علاج و معالج کے لیے تعلقہ ہسپتال کنری منتقل کیا۔ورثاء کی طرف سے موٹر سائیکل سوار نوجوان کو موٹر سائیکل دیکھ کر چلانے کی ہدایت کرنے پر نوجوان کے ورثاء نے مبینہ طور پر زخمی لڑکی کے ورثاء کے گھروں پر حملہ کردیا۔اس ناانصافی کے خلاف لڑکی کے والد بھوجراج میگھواڑ نے پولیس تھانہ کنری پر پانچ ملزمان علی نواز، ایاز، رضوان، شاہنواز اور دیدو کے خلاف لڑکی کو زخمی کرنے، گھر پر حملہ، عورتوں کو بالاوں سے گھسیٹ کر تذلیل اور مار پیٹ کرنے کا مقدمہ درج کیا گیا اس واقعے کے خلاف بھوجراج عرف روشن اور دیگر نے ہماری بچی کو ٹکر مار کر زخمی کردیا۔شکایت اور ہدایت کرنے پر الٹا ہمارے گھروں پر حملہ کر کے عورتوں کی تذلیل کی گئی۔ متاثرین نے انصاف کا مطالبہ کیا۔

(اوکھو منروپ)

بارودی سرنگیں

پشاور پاکستان کے علاقے جنوبی وزیرستان سے تعلق رکھنے والی حمیدہ بی بی ان لوگوں میں سے ایک ہیں جو بارودی سرنگوں کا شکار ہو کر معذوری سے دوچار ہیں۔حمیدہ بی بی نے بتایا کہ وہ کہیں آ جا نہیں سکتیں اور وہ نئی ٹانگ لگنے کی منتظر ہیں۔حمیدہ کے والد مصطفیٰ نے بتایا کہ ان کی بیٹی 17 جنوری 2017 کو پہاڑوں پر بکریاں چرانے گئی تھی اور وہاں اس کا پاؤں ایک بارودی سرنگ پر آ گیا اور زوردار دھماکے کے نتیجے میں حمیدہ شدید زخمی ہوگئی۔مصطفیٰ کے بقول اس واقعے کے بعد حمیدہ کا پاؤں گھٹنے سے نیچے کاٹنا پڑا۔ بعدازاں علاقے کے پولیٹیکل ایجنٹ نے 30 ہزار روپے بطور امداد دیے لیکن وہ حکومت کی جانب سے معاوضے اور حمیدہ کی تعلیم کے لیے مناسب بندوبست کے منتظر ہیں۔پاکستان میں بارودی سرنگوں کے متاثرین کا ڈیٹا جمع کرنے والوں کا کہنا ہے کہ سابقہ قبائلی علاقوں میں حالیہ برسوں میں سیکیورٹی فورسز کی جانب سے کیے جانے والے آپریشنز کے بعد جب لوگ اپنے گھروں اور علاقوں میں واپس گئے تو اس قسم کے واقعات میں اضافہ دیکھنے میں آیا۔ دنیا بھر میں چار اپریل کو بارودی سرنگوں سے متعلق شعور پھیلانے کا دن منایا جاتا ہے۔پاکستان میں ان واقعات کی ایک وجہ بارودی سرنگوں سے متعلق آگاہی کا تقریباً نہ ہونا بھی ہے۔ بارودی سرنگوں سے ہونے والے نقصان کا ڈیٹا جمع کرنے والی تنظیم 'لینڈ مائین کلسٹر مینیشن مانیٹر' کی 2021 کی رپورٹ کے مطابق 2020 میں بارودی سرنگوں سے 7073 افراد متاثر ہوئے جن میں سے 2492 افراد ہلاک ہوئے۔اسی ادارے کی 2017 کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 2016 میں بارودی سرنگوں کی وجہ سے 161 افراد متاثر ہوئے تھے جن میں سے 54 ہلاک جب کہ 107 زخمی ہوئے۔ پاکستان میں بارودی سرنگوں کے متاثرین کا ڈیٹا جمع کرنے والے عالم زیب محسود نے وائس آف امریکہ سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ سابقہ قبائلی علاقوں میں سیکیورٹی آپریشنز کے بعد کئی مقامات پر بارودی سرنگوں کو صاف نہیں کیا گیا۔اُن کا کہنا تھا کہ اکثر بارودی سرنگیں فوج نے اپنی چوکیوں کی حفاظت کے لیے بچھائی تھیں۔لیکن جب فوج ان چوکیوں سے آگے بڑھی تو انہوں نے ان بارودی سرنگوں کو، ان کے بقول، صاف نہیں کیا اور یہی بارودی سرنگیں بارش کی وجہ سے ندی نالوں میں بھی کبھی کبھی آ جاتی ہیں جہاں انسانی جانوں کا ضیاع ہوتا ہے۔ڈپٹی کمشنر شمالی وزیرستان کا کہنا ہے کہ گزشتہ چار برسوں میں بارودی سرنگوں کے تین واقعات ہوئے ہیں، 'مائین ایکشن ریویو' کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستانی حکام کا یہ مو؟قف رہا ہے کہ یہ بارودی سرنگیں دہشت گردوں نے شورش زدہ علاقوں میں بچھائی تھیں۔عالم زیب محسود کہتے ہیں پشتون تحفظ تحریک (پی ٹی ایم) نے جب قبائلی علاقوں کے مسائل کو اجاگر کرنا شروع کیا اور بارودی سرنگوں سے متعلق اس نے 2018 میں آواز اٹھائی تو حکومت نے کئی وعدے بھی کیے اور معاہدے بھی ہوئے۔ان کے بقول اگرچہ حکومت نے بارودی سرنگوں کے خاتمے پر کام بھی کیا ہے لیکن اس کی کارکردگی اطمینان بخش نہیں۔عالم زیب کے خیال میں ان علاقوں میں لوگ اب بھی خوف و دہشت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ڈپٹی کمشنر شمالی وزیرستان شاہد علی خان نیتا یا تھا کہ گزشتہ چار برسوں کے اعداد و شمار کے مطابق ان کے علاقے میں بارودی سرنگوں سے متاثر ہونے کے صرف تین ہی واقعات رونما ہوئے ہیں۔شاہد علی خان کے مطابق جن علاقوں کو ابھی لوگوں کی واپسی کے لیے کھولا جا رہا ہے وہاں اس سلسلے میں 'لیول تھری کلیئرنس' دی جا رہی ہے یعنی ایسے علاقے جہاں بارودی سرنگوں کا خاتمہ یقینی بنا لیا گیا ہے وہاں لوگوں کو آباد کیا جا رہا ہے۔ڈپٹی کمشنر شمالی وزیرستان پرامید ہیں کہ وہ لوگ جو سیکیورٹی آپریشنز کی وجہ سے علاقہ چھوڑ گئے تھے ان کی مکمل واپسی تک بارودی سرنگوں کا مسئلہ حل ہو چکا ہوگا۔

(مسعود شاہ)

14 سالہ لڑکی سے دکاندار کی مبینہ جنسی زیادتی

نوشہرو فیروز موروں میں دکان سے دودھ خریدنے والی 14 سالہ لڑکی سے دکاندار کی مبینہ زیادتی۔ عدالتی حکم پر مقدمہ درج کرلیا گیا۔مقدمہ متاثرہ بچی نازیہ بوگھیو کے والد کی مدعیت میں داخل کیا گیا ہے۔ملزم ساجد ڈھرکی گرفتاری کیلئے پولیس پارٹی تشکیل دی گئی ہے۔جو ملزم کی گرفتاری کیلئے مختلف مقامات پر چھاپے مار رہی ہے بچی کے والد قائم دین کا کہنا ہے کہ شریف لوگ ہیں ملزم نے ہماری بچی کیساتھ ظلم کیا ہے۔ملزم کو فوری گرفتار کر کے سزا دی جائے۔ واضح رہے کہ چند روز قبل محراب پور میں بھی ایسا ہی جنسی زیادتی کا واقعہ پیش آیا جس میں معذوری سے متاثر ایک لڑکی کے گھر میں ملزمان نے کود کر اسلحہ کے زور پر اسے مبینہ جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا۔ واضح رہے کہ نوشہرو فیروز میں جنسی درندگی کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے اور پولیس انتظامیہ خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔

(الطاف حسین قاسمی)

آدمی کو آگ لگانے کا واقعہ

چنیوٹ ڈی پی او نے تھانہ محمد والا پولیس کو فی الفور قانونی کارروائی کر کے ملزمان کو گرفتار کرنے کی ہدایت کر دی۔ ابتدائی اطلاعات کے مطابق منظور ولد سلطان قوم گُلہ سکنہ دلیل والا کو مبینہ طور پر واجد دیگر دو ملزمان نے تیل چھڑک کر آگ لگا دی گئی۔ وجہ عناد پیسوں کے لین دین کا تنازعہ ہے۔واقعہ کی اطلاع ملتے ہی سینئر پولیس افسران ,ایس ایچ او تھانہ محمد والا موقع پر پہنچ گئے۔زخمی کو ہسپتال منتقل کر دیا گیا ہے جبکہ جائے وقوعہ سے شواہد وغیرہ اکٹھے کئے جا رہے ہیں اور واقعہ کی تحقیق وحسب ضابطہ کارروائی جاری ہے۔ملزمان کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔

(سیف علی خان)

سوتیلی ماں کے تشدد سے 5 سالہ بچی جاں بحق

حیدرآباد "حیدرآباد کے علاقے فقیر کا پڑ کے علاقے میں مبینہ طور پر سوتیلی ماں کے تشدد سے بیہوشی کی حالت میں اسپتال میں منتقل کی گئی،5 سالہ بچی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسی_ تفصیلات کے مطابق تھانہ سٹی کی حدود فقیر کا پڑ کے رہائشی نفیس آرائین کی بیٹی انابیہ سول اسپتال حیدرآباد کے آئی سی یو میں 3 دن تک زندگی وموت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد چل بسی، سول اسپتال کے شعبہ میڈیکو لیگل کے ڈاکٹر وسیم کے مطابق بچی کو بیہوشی کی حالت میں اسپتال لایا گیا تھا اور حالت تشویشناک دیکھتے ہوئے بچی کو فوری آئی سی یو منتقل کر دیا گیا تھا،اس دوران بچی کے والدین بیہوشی کی وجہ بتانے سے گریز کرتے رہے، تاہم انہیں متعلقہ تھانے سے میڈیکل لیٹر لا کر اسپتال میں جمع کروانے کی ہدایت کی تو پتہ چلا کہ بچی پر تشدد کیا گیا،ڈاکٹر صنوبر نے بچی کا میڈیکل کیا جس میں زیادتی کے شواہد تو نہیں ملے البتہ بچی کے جسم پر تشدد کے نشانات واضح تھے کچھ نئے اور پرانے زخم جسم پر موجود تھے جس کی اطلاع سٹی پولیس کو دے دی گئی تھی،ڈی ایس پی سٹی غلام شبیر سرکی کے مطابق بچی گھریلو تشدد کا شکار بنی، بچی کا باپ مزدوری کرتا ہے اور بچی کی ماں کی وفات کے بعد نفیس آرائین نے دوسری شادی کر لی تھی اور سوتیلی ماں ہی بچی پر تشدد کرتی تھی، علاقہ مکینوں نے بھی سوتیلی ماں کے بچی پر تشدد کی تصدیق کی ہے، لاش قانونی کارروائی کے بعد ورثاء کے حوالے کر دی گئی اور چند روز میں پوسٹ مارٹم رپورٹ میں بھی موت کی اصل وجہ سامنے اجائے گی۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

☆ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:							
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال			مہینہ		تاریخ	
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں				محلّہ		
	ڈاک خانہ				تحصیل وضلع		
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں				نہیں		
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)							
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل							
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام			ولد/زوجہ		پیشہ	
8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ		بوڑھا/بوڑھی	بیمار	
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کارکن		دیگر (تخصیص کریں)		
9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ		پیشہ		
	-1						
	-2						
	-3						
10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی		متوسط طبقے سے/غریب آدمی		بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ		
11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ		پارٹی/ادارہ		
	-1						
	-2						
	-3						

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				
رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع	

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: .....

تاریخ: .....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آ سکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆ تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کر کے بھیجیں

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1	تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔
دفعہ -2	ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا توثیق ہو یا غیر مختار ہو یا اقتدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔
دفعہ - 3	ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 4	کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور برده فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو ممنوع ہوگی۔
دفعہ - 5	کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔
دفعہ - 6	ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔
دفعہ - 7	قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔
دفعہ - 8	ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔
دفعہ - 9	کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 10	ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔
دفعہ - 11	(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا چکی ہوں۔ (2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔
دفعہ - 12	کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 13	(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔
دفعہ - 14	(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ (2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔
دفعہ - 15	(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔
دفعہ - 16	(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازدواجی زندگی اور نکاح فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ (2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔ (3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔
دفعہ - 17	(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 18	ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتماعی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔
دفعہ - 19	ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔
دفعہ - 20	(1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔
دفعہ - 21	(1) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔ (3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔
دفعہ - 22	معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔
دفعہ - 23	(1) ہر شخص کو کام کا حق، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ (3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔ (4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔
دفعہ - 24	ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے، جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔
دفعہ - 25	(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔ (2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔
دفعہ - 26	(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ (2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔ (3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔
دفعہ - 27	(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ (2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں
دفعہ - 28	ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔
دفعہ - 29	(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔ (2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔ (3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔
دفعہ - 30	اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15